جاسوسی کہانیاں

محمد عمران

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

فہرست

چوبیس گھنٹے 02

فائل کا ہنگامہ 46

چار دسمبر 75

آدم خور 102

تاوان 132

آخری ڈاکہ 149

چوبیس گھنٹے

وہ جونہی آفس سے نکلا ایک ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے کان کے قریب سے گزر گئی اس نے بوکھلا کر اپنے چاروں طرف دیکھا مگر فائر کرنے والا کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ البتہ اس کی کار کے قریب سے ایک کار تیزی سے گھومی اور نہایت برق رفتاری سے بھا گئی ہوتی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ۔ وہ خوف زدہ سیا اپنی کار کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر کار میں سوارہو گیا مگ ردوسرے ہی لمحے وہ اپنی جگہ سے یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنگ مار لیا ہو اس کا منہ چڑا رہا تھا ۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے کاغذ کے پرزے کو اپنی گرفت میں لیا کاغذ پر

لکھی ہوئی تحریر پڑھ کر اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں ۔

فیضان خان آئندہ چوبیس گھنٹے تم پر بہت بھاری ہیں یایوں کہہ و کہ آئندہ چوبیس گھنٹے تمہارے لئے موت کے گھنٹے ثابت ہوں گے جس طرح یہ گولی تمہارے کان کی لوکے قریب سے سنسناتی ہوئی گزری ہے اگر ہم چاہتے تو یہ تمہاری کھوپڑی میں ایک عد د روشندان بھی بنا ڈالتی ۔ کاغذ پر یہ الفاظ درج تھے فیضان خاں نے گھبراہت میں اگنیشن میں چابی گھمائی اور ایکسیلیٹر پر اپنے پاؤن کا پورا وزن ڈال دیا ۔ کار مچھلی کی طرح تڑپی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی ۔

فیضان خان کی پیشانی پر پسینے کے

قطرے جھلملانے لگے ۔۔ حالانکہ یہ گلابی جاڑے کے دن تھے اس نے ایک ہاتھ سے اسیرنگ کو قابو رکھا اور دوسرے ہاتھ سے جیب سے رومال نکال کر پیشانی سے پسینہ سے صاف کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد کا ر ایک عالیشان کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوئی فیضان خان نے پوری قوت سے بریکوں کو دبا ڈالا کار ایک خوفناک چر۔۔ در۔۔چرددد۔۔۔ در کے ساتھ بالکل ساکت ہو گئی فیضان خان کا ر کا دروازہ کھول کر کار سے باہر نکلا اور برق رفتاری سے بھاگتا ہوا اپنے کمرے میں جا پہنچا اس نے سب سے پہلے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا۔

اور لیور اٹھا کر پولیس اسٹیشن کا نمبر

ڈائل کرنے لگا سلسلہ ملتے ہی اس کی زبان فر فر چلنے لگی۔ ہیلو پولیس اسٹیشن میں فیضان لاج سے خان فیضان خان بول رہا ہوں میری زندگی سخت خطرے میں ہے یہ کہہ کر خان فیضان خان نے سلسلہ منقطع کیا اور دوبارہ نمبر ڈائل کرنے لگا ۔ سلسلہ ملتے ہی اس نے نہایت خوفزدہ سی آواز میں کہا۔ ہیلو سہیل درانی تم جلدی سے فیضان پہنچو میری زندگی سخت خطرے میں ہے کیوں کیا ہوا ۔ دوسرے طرف سے سہیل درانی نے حیرت سے پوچھا ۔ پلیز سہیل دیر نہ لگاؤ تم جلدی سے میرے پاس پہنچ جاؤ پھر تمہیں تمام تفصیل سے آگاہ کردوں گا یہ کہہ کر فیضان خان نے جلدی سے ریسور کو کریڈل پر رکھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے ایک کرسی پر ڈھیر

ہو گیا تقریباً ۱۵ منٹ بعد ماحول پولیس سائرن کی آواز سے گونج اٹھا ۔ خان فیضان خان نے اپنی نشست چھوڑی ٹھیک اسی لمحے دروازے پر لگی کا ل بیل چلا اٹھی ۔

خان فیضان خان تیزی سے کمرے دے باہر نکلے اور بوجھل سے چلتے ہوئے دروازہ کھول دیا ۔ دروازے کے کھلتے ہی ایک انسپکٹر اور چار کانسٹیبل کمرے میں داخل ہوئے آیئے انسپکٹر صاحب خان فیضان خان نے کا پتی ہوئی آواز میں کہا اور نہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

ابھی وہ ٹھیک طرح بیٹھے بھی نہ تھے کہ کمرہ سہیل مدانی کی آواز سے گونج اٹھا آؤ سہیل بھائی تم بھی بیٹھو ۔

پروفیسر خان فیضان خان نے مردہ آواز میں کہا۔ خیریت تو ہے خان صاحب

سہیل درانی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا خیریت ہی تو نہیں ہے درانی ۔

پروفیسر خان فیضان خان نے مریل آواز میں جواب دیا۔ اوں ۔۔۔۔ کای ہوا

انسپکٹر خان فیضان خان نے خلاؤن میں گھومنا شروع کر دیا ۔ پندرہ منٹ تک کمرے میں مکمل خاموشی چھائی رہی پھر

پروفیسر خان فیضان خان کے لب ہلے ۔

آپ لوگوں کو تو معلوم ہے کہ میں آج کل میں دنای کا طاقتور اور مہلک ترین بم بیوٹران بنانے میں مصروف ہوں۔

جہاں یہ بم دنیا کے لئے تباہی کا پیام ہے اگر اسے بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے استعمال کیا جائے تو شاید بنی نوع کے لئے اس سے مفید جبر کوئی

اور ہوں ۔ نیوٹران بم ایک ایسا بم ہے جس کے استعمال سے عمارتیں تو اپنی جگہ پر بالکل صحیح رہتی ہیں مگر اس کے زہریلے مادے کی گیس سے ہر جاندار لقمہ اجل بن جاتا ہے۔

میں یہ بم اپنے ملک کی فلاح اور ایٹمی بجلی گھر اور ایٹمی ری ایکٹر کے لئے بنا رہا ہوں تاکہ اس کے استعمال سے نہ صرف میرا ملک ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ جا کھڑا ہو بلکہ اس کے استعمال سے بنی نوع انسان فائدہ اٹھا سکیں۔

مگر اب میرا ایک پڑوسی ملک نیوٹران بم کا فارمولا مجھ سے خریدنا چاہتا ہے تاکہ وہ بم کے استعمال سے اپنے ناپاک منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے ۔

یہ کہہ کر پروفیسر خان فیضان خان نے پرائیویٹ جاسوس سہیل درانی کی طرف دیکھا ۔

تقریباً پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد پروفیسر خان فیضان جان کے لب دوبارہ ہلے ۔۔۔اپنے اس مقصد کے پڑوسی ملک کے تین کار ندے فاموا خریدنے کے لئے میرے پاس آئے تھے مگر میں نے فارمولا بیچنے سے صاف انکار کر دیا ۔۔۔۔ پڑوسی ملک کے کارندوں نے مجھے پانچ کروڑ روپے تک کا لالچ دیا مگر وہ میرے انکار کو ہاں میں نہ بدل سکے ۔ آج میں اپنے آفس سے تجربہ گاہ جانے کے لئے جونہی باہر نکلا ایک گولی سنسناتی ہوئی میرے کان کی لُو کے قریب سے گزر گئی اور ٹھیک اسے لمحے ایک کار میری کار کے قریب سے گھوم

کر خراٹے بھرتی ہوئی گزر گئی ۔ چنانچہ میں گھبراہٹ میں اپنی کار کی طرف بڑھا مگ رکار کی سیٹ پر ایک کاغذ کا پُرزہ پڑا ہوا تھا جس پر کُل یہ الفاظ درج تھے

فیضان خان آئندہ چوبیس گھنٹے تم پر بہت بھاری ہیں یا یوں کہہ لو کہ آئندہ چوبیس گھنٹے تمہارے لئے موت کے گھنٹے ثابت ہوں گے ۔

سہیل درا ۔۔ سہیل درانی نے ایک لمبا سانس کھینچا ۔۔ پروفیسر وہ کس ملک کے باشندے تھے انسپکٹر محمود نے پوچھا ۔۔ معلوم نہیں پروفیسر نے مختصر سا جواب دیا ۔۔۔ میں موت سے خوف زدہ نہیں ہوں ۔ کیونکہ موت تو ہر انسان کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے اور اس

سے خوف زدہ ہونا مسلمان کا شیوہ نہیں۔ مجھے پریشانی اس بات کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد کہیں فارمولا ان کے ہاتھ نہ لگ جائے ۔۔۔۔ ٹھیک ہے پروفیسر اب مجرم ہماری آنکھوں سے نہیں بچ سکتا ہم نے نہ صرف آئندہ چوبیس گھنٹے تمہارے قریب دیئے گئے بلکہ مجرم کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

شکریہ انسپکٹر ، پروفیسر خان فیضان خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ۔ پروفیسرخان فیضان خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پروفیسر کای تمہیں یقین ہے کہ نیوٹران بم کا فارمولا ابھی تک محفوظ ہے پرائیویٹ جا سوس سہیل درانی نے متفکر لہجے میں پوچھا ۔۔۔ ہاں درانی فارمولا ابھی تک بالکل محفوظ ہے ۔۔ ٹھیک ہے

پروفیسر اب آپ کی اور فارمولے کی حفاظت ہمارا ذمہ ہے ۔ سہیل درانی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا ۔ اسی دوران فون کی گھنٹی چلا اٹھی ۔۔ پروفیسر خان فیضان خان نے آگے بڑھ کر ریسور تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں خوف سے ابل آئیں۔

وہ ایک کھلا اور ہوا دار کمرہ تھا ، کمرے کی آرائش سے اس کے مکینوں کی نفاست ظاہر ہو رہی تھی ۔۔ فرش پر سرخ رنگ کا ایرانی قیمتی قالین بچھا ہو اتھا ۔ جس پر اعلیٰ قسم کا فرنیچر اور دیواروں پر مختلف خوش رنگ تصوریریں آویزاں تھیں ۔

اس وقت وہ چاروں خاموشی سے بیٹھے ہوئے کسی کا انتظار کر رہے تھے ۔

وہ چاروں خوش شکل لباس تھے ۔ اور شکل ہی سے غیر ملکی لگ رہے تھے ان کے خدو خال کو دیکھ کر ان کی قومیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا ۔ اچانک کمرے میں ایک دراز قد غیر ملکی نہایت لطافت سے چلتا ہوا ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور انہیں بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا ۔۔ مسٹر منٹو مس مجھے آج ہر حالت میں وہ فارمولا چاہیے اور ساتھ میں پروفیسر خان فیضان خان کی موت کا سر ٹیفکیٹ بھی ۔۔ دراز قد غیر ملکی نے گہری نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔۔۔ او کے ۔۔ مسٹر منٹومس نے نہایت ادب سے جواب دیا اور اپن نشست سے اٹھ کھڑا ہو ا اس کے ساتھ ہی اس کے باقی تین ساتھیوں نے بھی اپنی جگہیں چھوڑ دیں اور

تیز تیز قدموں سے باہر آ گئے ۔

وہ اور ایک اسٹیشن ویگن میں سوار ہو کر پرنس روڈ پر آ گئے ۔۔ یہاں سے پروفیسر کی کوٹھی دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی ۔۔۔ وہ چاروں پیدل چلتے ہوئے پروفیسر کی کوٹھی کے قریب پہنچ گئے ۔ اور چکر کاٹ کر کوٹھی کی پچھلی طرف ایک پانی کا پائپ اوپر کی طرف اٹھا ہو تھا ۔ فٹھو مس نے مسرت بھرے لہجے میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پائپ پر اپنے ہاتھوں کی گرفت جمادی ۔ وہ کسی بندر کی طرح پائپ کی مدد سے اوپر چڑھ رہا تھا ۔تقریباً دو منٹ کی شبقت کے بعد وہ چھت پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ۔ اس کے پیچھے شیز اس ایمبلر اور ڈین بزیڈی بھی چھت پر پہنچ گئے ۔

پروفیسر نے اپنی کوٹھی کو داو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ۔ ایک حصے میں اس کی رہائش تھی جبکہ دوسرے حصے میں پروفیسر نے اپنی تجربہ گاہ بنا رکھی تھی ۔ وہ چاروں جلدی سے زینے کی طرف بڑھے اور زینہ عبور کر کے نیچے پہنچ گئے ۔ اب ان کا رخ ایک اور زینے کی طرف تھا ۔ جو اساتھ سیڑھیوں پر مشتمل تھا اس زینے کے اختتام پر ایک لمبی سے راہداری بنی ہوئی تھای جس کے اختتام پر پروفیسر کی تجربہ گاہ موجود تھیں ۔ تجربہ گاہ کے دروازے کے قریب پہنچ کر فٹو مس نے ایک عجیب قسم کا آلہ نکالا ۔ جس پر سرخ اور سبز بٹن لگے ہوئے تھے ۔ اور ان کے قریب ہی ایک گول میٹر نصب تھا ۔ فٹومس نے آلے سے نکلی ہوئی دونوں

تاریں تجربہ گاہ کے آہنی دروازے سے لگا دیں ۔ اور بٹنوں کو اپنی جگہ سے دائیں بائیں کر دیا اس کے ساتھ ہی لوہے کا آہنی دروازہ اپنی جگہ سے ہلا اور بغیر آواز کے اس کے دونوں پٹ کھل گئے ۔

دروازے کے کھلتے ہی تینوں تجربہ گاہ میں داخل ہو گئے ۔تجربہ گاہ میں مختلف چھوٹی بڑی مشینیں نصب تھیں ۔ تجربہ گاہ میں داخل ہو کر فٹومس نے دروازے کے دونوں پٹ بھیڑے اور اسی آلے کی دونوں تاریں دروازے سے لگا دیں ۔۔ اور ایک مرتبہ پھر بٹنوں کی ست تبدیل کر دی ۔تقریباً دو منٹ بعد اس نے مشین کو بند کر کے جیب میں رکھ اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فارمولے کی تلاشی میں مصروف ہو گیا

۔

سب سے پہلے وہ سیکرٹ فریکوئنسی سیٹ کی طرف بڑھا اور اُسے آن کر دیا ۔ اس کے ساتھ ہی سکرین پر ایک خفیہ تجوری کی تصویر اُبھر پڑی ۔ فنٹومس نے تجوری کی سمت معلوم کرنے کے لئے خفیہ تحقیقاتی بٹن دبا دیا دوسرے ہی لمحے سکرین سے تجوری کی تصویر غائب ہو گئی ۔ اور دائیں طرف کا اشارہ موصول ہوا فنٹومس نے جلدی سے اپنی جیب سے ایک اور چھوٹی سی مشین نکالی اور دائیں طرف کی دیوار سے لگا دی مشین کے چلتے ہی دیوار کا ایک حصہ کسی ڈھکن کی طرح اپنی جگہ سے ہلا ۔

سامنے ہی خفیہ تجور ی نصب تھی ۔ جس پر ایک گول ہینڈل اور گول

گھمانے والے بٹن نصب تھے فنڈومس نے اسی مشین کو تجوری کے دروازے سے لگا دی مشین پر لگی چھوٹی سکرین پر تجوری کے نمبر جھلملانے لگے۔

فنڈومس نے خوشی اور فتح کے ملے جلے تاثرات سے تجوری پر زیرو پوائنٹ تھری سیون کے نمبر سیٹ کئے اور ہینڈل کو تیزی سے گھما دیا۔ ہینڈل کے گھومتے ہی تجوری ایک ہلکی سی آواز سے کھل گئی۔ فنڈومس نے ہاتھ بڑھا کر فارمولے کو اپنے قبضے میں کیا۔ اور ٹھیک اسی وقت سائرن کی آواز گونج اٹھی فنڈومس نے گھبرا کر فارمولے کو داباہ تجوری میں رکھا اور سی لمحے سائرن کی آواز بند ہو گئی یہ دیکھ کر فنڈومس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا ڈین بریڈی جلدی سے تجوری کی طرف بڑھا اور فارمولے

کو اپنی گرفت میں لے لیا سائرن ایک مرتبہ چلا اٹھا ۔

پروفیسر خان فیضان خان نے جونہی ریسیو ر کا ن سے لگا یا ان کی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں حرارت پیدا ہوئی دوسرے طرف سے ان کی سماعت سے صرف یہی تین الفاظ ٹکرائے موت کے گھنٹے ۔ یہ سن کر پروفیسر نے گھبراہٹ میں ریسیور کو کریڈل پر کھا ۔ درانی دشمن یہاں تک پہنچ چکا ہے ۔ پروفیسر نے دندھی ہوئی آواز میں کہا ۔ وں ۔۔ نہیں ۔۔ انسپکٹر محمود اور سہیل درانی نے حیرت سے کہا ۔

میں سچ کہہ رہا ہوں دشمن میری تجربہ گاہ میں داخل ہو چکے ہیں ۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا سہیل درانی نے

حیرت و نجس کے ملے جلے الفاظ میں پوچھا ۔ درانی میری گھڑی میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے ۔اور فون پر بھی یہی پیغام دیا گیا ہے ۔ جس کا مطلب ہے کہ دشمن تجربہ گاہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو چکے ہیں ۔

''یعنی موت کے گھنٹے''

اور ٹھیک اُسی کمرے میں سائرن کی آواز گونجھ اٹھی ۔ اف میرے خدا بخش فارمولا پانے میں کامیاب ہو چکے ہیں ۔یہ کہہ کر پروفیسر دیوانہ زمار کمرے سے بھاگ اٹھے ۔ پروفیسر کو دیوانہ بھاگتے دیکھ کر انسپکٹر محمود ، سہیل درانی اور کانسٹیبل بھی ان کے پیچھے بھاگ پڑے ۔ پروفیسر آندھی کی طرح تجربہ گاہ کے قریب پہنچ گئے ۔

تجربہ گاہ کے دروازے کے قریب پہنچ کر پروفیسر نے اپنی گھڑی کا رُخ دروزے کی طرف کیا۔ گھڑی سے ایک شعلہ لپکا اور دروزے دے جاٹکرایا ۔ پھر دوسرے ہی لمحے پروفیسر چکرا سے گئے ، تجربہ گاہ کا دروازہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا پھر ان کی سماعت سے ایک بھاری بھر کم آواز ٹکرائی، پروفیسر غلط قسم کی کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ فارمولا ہمارے ہاتھ میں آہی میں آہی چکا ہے ہم تجربہ گاہ کو تباہ کردیں گے یہ سن کر بر صغیر سمیت تمام افراد حیرت کا بت بن گئے ۔

پھر سہیل درانی اپنی جگہ سے ہلا اور تیزی سے چلتا ہوا کوٹھی کی پچھلی طرف آگیا دوسری طرف پروفیسر خان فیضان خان ، انسپکٹر محمود اور چاروں کانسٹیبل چپ

سادھے دروازے سے گھور رہے تھے۔ پروفیسر کا چہرہ خوف سے دھواں ہورہا تھا ۔

اچانک انہیں اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی ۔ انہوں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو خوف سے ان کی آنکھیں باہر ابل آئیں ، تین نقاب پوش ریوالو ر تھامے کی طرف بڑھ رہے تھے، ہاتھ اوپر اُٹھا لو پروفیسر میں نے تمہیں اطلاع بھی دی تھی کہ تمہاری زندگی اور مو ت کے درمیان صرف چوبیس گھنٹے رہ گئے ہیں سو میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا ۔ یہ کہہ کر ایک نقاب پوش نے بلند آواز سے کہا ۔ فنٹومس باہر نکل آجا وٴ حالات مکمل طور پر ہمارے کنٹرول میں ہیں ۔ یہ سنتے ہی فنٹومس دروازہ کھول کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ باہر آگیا ان

چاروں کے ہاتھوں میں بھی ریوالور پکڑے ہوئے تھے ۔ اور ان کی نالیاں ان پانچوں کی طرف اُٹھی ہوئیں تھیں ۔ اب وہ دونوں طرف سے مکمل طور پر گر چکے تھے ۔ فٹھومس اور اُس کے ساتھویں نے اپنے ریوالوروں کے جسموں سے لگا دیں اور انہیں ہانکتے ہوئے ڈرائنگ وم میں لے آئے ۔

آنے والے تینوں نقاب پوشوں نے اپنی جیب سے ریشم کی باریک ڈوریاں نکال کر شیز اس ، ایمبلر اور ڈین بریڈی کی طرف اچھال دیں ۔ تینوں نے ڈوریاں پکڑیں اور پروفیسر اور کانسٹیبلوں کی طرف بڑھے ۔ شیزاس نے پروفیسر خان فیضان خان کو ایمبلر نے انسپکٹر محمود اور ڈین بریڈی نے ایک کانسٹیبل کو باندھنا شروع کر دیا ۔ تھوڑی دیر وہ سب کو

باندھ چکے تھے۔

تینوں نقاب پوش اور فٹو مس کے ساتھی آرام سے ٹھومنے پر بیٹھ گئے فٹومس نے جیب سے فارمولا نکالا اور دراز قد نقاب پوش کی طرف بڑھا دیا ، دراز قد نقاب پوش نے مسکراتے ہوئے فارمولے کو اپنی گرفت میں لیا اور اُسے بڑھنا شروع کر دیا ۔

جوں جوں وہ فارمولا پڑھتا جاتا ، اس کی آواز سے غصہ چھلکتا جاتا ۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے پروفیسر کی طرف بڑھا ۔ دوسرے ہی لمحے اسکا ہاتھ گھوم اور ایک زناٹے وار تھپڑ پروفیسر کے گال پر لگا ۔ پروفیسر بتاؤ تم نے وہ فارمولا کہاں چھپا رکھا ہے تم یہ سمجھتے تھے کہ ہم نادانی میں اس

فارمولے پر عمل کریں گے اور پھر اپنے ہی ہاتھوں تباہی کے دہانے پر پہنچ جائیں گے۔ مگر پروفیسر میں خود اپنے ملک کا ایک بہت بڑا سائنسدان ہوں ۔ اسی لئے میں نے اپنی حکومت کے حکم سے فارمولا چرانے کا کام اپنے ذمے لالے لیا ہے ۔ بتاؤ اصلی فارمولا کہاں ہیں ۔ دراز نقاب پوش ایک مرتبہ پھر غرایا ۔ یہ سن کر انسپکٹر محمود اور کانسٹیبل حیرت سے دراز قد غیر ملکی نقاب پوش کو دیکھنے لگے۔

پروفیسر خان فیضان خان کے چہرے پر سکون سا طاری تھا اور ان آنکھوں میں سے ایک فاتح کی سی چمک اُڑ آئی ۔

دراز قد نقاب پوش کا ہاتھ ایک مرتبہ پھر گھوما اور پروفیسر خان فیضان

خان نے تکلیف سے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے ۔ پروفیسر میں کہتا ہوں وہ فارمولا کہاں ہے ۔ نقاب پوش نے غرا کر پوچھا۔ مسٹر مس اپنی جان دے دون گا مگر تمہیں فارمولے کی ہوا تک نہ لگنے دوں گا ۔ پروفیسر خان نے طنز یہ انداز سے مسکراتے ہوئے جواب دیا ۔ فٹومس یہ اس طرح نہیں مانے گا ۔ اس کی آنکھیں پھوڑ دو۔ اک باس فٹومس نے سعادت مندی سے جواب دیا ۔

ٹھہرو فٹومس پہلے اس کی کمر سے کپڑا ہٹاؤ فٹومس نہایت چابکدستی سے پروفیسر خان فیاضان خان کی طرف بڑھا اور اس کی کمر سے کپڑا ہٹا کر قریب کھڑا ہو گیا ۔ دراز قد نقاب جلدی سے پروفیسر کی طرف بڑھا ۔ پھر

اس نے سگریٹ نکال کر اپنے ہونٹوں کے درمیان پکڑی پھر اس نے اپنی جیب سے اعلیٰ برانڈ کی سگریٹ کی ایک ڈبیہ نکالی اور اس میں سے لائٹر نکالا دوسرے ہی لمحے لائٹر نے ایک شعلہ اگلا اور سگریٹ سلگ اٹھا ۔ دراز قد نقاب پوش سگریٹ کے ہلکے کش لینے لگا۔ اور آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں ایک سفاکانہ چمک عود آئی ۔ اس نے نہایت سفاکی سے پروفیسر خان فیضان خان کی کمر سگریٹ سے داغنی کر دی تکلیف کے مارے پروفیسر کے منہ سے چیخوں کا سلسلہ شروع ہا گیا ۔ اور خوف کے مارے انسپکٹر محمود اور کانسٹیبلوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں ۔ پروفیسر میں کہتا ہوں اب بھی وقت ہے بتا دو وہ فارمولا تم نے کہاں رکھا ہے ۔۔۔

نہیں ۔۔۔ ہر گز نہیں میں تمہیں فارمولے کے متعلق نہیں بتاؤں گا ۔ پروفیسر نے تکلیف سے بلبلا ہوئے جواب دیا۔

ہا ہا ہا ۔۔۔۔۔ دراز قد نقاب پوش کے حلق سے ایک طویل قہقہہ ابل پڑا پروفیسر تمہیں اتنی اذیت دوں گا کہ تم ہی بتا دو گے کہ فارمولا کہاں ہے ۔ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جیب سے کاغذ کی ایک پڑیا نکالی اور اسے کھول کر تھوڑا سا نمک پروفیسر کے زخموں پر چھڑک دیا ۔ تکلیف کے مارے پروفیسر کے منہ سے ایک طویل چیخ نکل گئی ۔ پروفیسر کیون اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ فارمولا ہمارے حوالے کر دو اور ہم سے پانچ کروڑ وصول کر لو ۔ دراز قد نقاب پوش نے ہار مانتے ہوئے کہا ۔

میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی دولت پر جو مجھے میرے وطن سے غداری پر اکسائے ۔ پروفیسر خان فیضان خان نے اپنی بت پر ڈٹے ہوئے جواب دیا ۔

ٹھیک ہے پروفیسر مگر ہم بھی فارمولا حاصل کئے بغیر یا یہاں سے نہیں جائیں گے ۔ یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر پروفیسر کے زخموں پر نمک کا چھڑکاؤ کیا ۔

پروفیسر نے تکلیف سے اپنی آنکھیں موندھ لیں ۔ اب مرتبہ درازقد نقاب پوش نے سگریٹ کو فرش پر پھینکا اور پروفیسر کو بالوں سے پکڑکر ایک گھونسہ اس کے پیٹ میں دے مارا ضرب اتنی کاری تھی کہ تکلیف سے پروفیسر پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

سہیل درانی پانی کے پائپ کے قریب جا کر رُک گیا اور بے چینی سے مجرموں کا انتظار کرنے لگا ۔ اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے ۔ اور ہر طرف ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا ۔ سہیل درانی کو انتظا کرتے ہوئے پندرہ منٹ بیت گئے ۔ مگر مجرم اب تک نیچے نہیں آئے تھے ۔ سہیل درانی نے اپنے دائیں بائیں دیکھا اپنے قریب کسی کو نہ پاکر تیزی سے پائپ پر چڑھنا شروع کر دیا ۔ سہیل درانی چونکہ ایک پرائیویٹ سر ا غرساں تھا ۔ اس لئے یہ کوئی اس کے لئے نیا کام نہیں تھا ۔ چھت پر پہنچ کر سہیل درانی دبے پاؤن زینے کی طرف بڑھا اور دھیرے دھیرے زینہ الزکر پہنچ گیا۔

یہاں سے وہ سیدھا تجربہ گاہ کی

طرف بڑھا ۔ تجربہ گاہ کا کھلا دروازہ دیکھ کر وہ واپس پلٹا اور ایک کمرے میں داخل ہو گیا کمرہ بالکل خالی تھا پھر وہ دوسرے کمرے میں گیا مگر وہ بھی خالی تھا ۔ اب اس کا رخ ڈرائنگ روم کی طرف تھا ۔ وہ جونہی ڈرائنگ روم کے قریب پہنچا ، پروفیسر کی چیخیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں سہیل درانی نے اپنی جیب کو ٹٹول کر ریوالور نکالا اور تیزی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا ۔ ہینڈز اپ ، اس نے کمرے میں داخل ہوئے نہایت سرد آواز میں کہا ۔ ساتوں مجرموں نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا ۔

اور ان کے ہاتھ خود بخود اوپر کی طرف اُٹھ گئے ۔ دراز قد نقاب پوش نے غرا کر کہا ۔ مسٹر اگر تمہیں

پروفیسر کی زندگی عزیز ہے تو ریوالور پھینک دو ورنہ میں پروفیسر کی جان کی ضمانت نہیں دے سکتا ۔ اور دوسرے ہی لمحے سہیل درانی اپنا ریوالور زمین پر پھینک دیا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا ۔ پروفیسر خان فیضان خان نیم بے ہوشی کی حالت میں کراہ رہے تھے ۔

دراز قد نقاب پوش نے ایک مرتبہ پھر سگریٹ سے پرو فیسر کی کمر داغنی شروع کر دی پروفیسر کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی ۔

یہ دیکھ کر سہیل درانی سے صبر نہ ہو سکا اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور آڑتے ہوئے دراز قد نقاب پوش سے جا ٹکرایا ۔ ٹھیک اُسی لمحے دد گولیا ں

چلیں اور درانی کے قریب سے گزر
گئیں ۔ فنٹومس جلدی سے اپنے باس کی
مدد کو لپکا ، اس نے سہیل درانی کے
قریب پہنچ کر اس کی کمر پر ایک
زور دار لات دے ماری درانی اوندھے
منہ فرش پر جا گرا مگر دوسرے ہی
لمحے وہ زمین سے اُٹھا اور برق رفتاری
سے اپنے ہاتھ کو گھما ڈالا ہاتھ تیزی
سے فنٹومس کے منہ پر پڑا اور و ہ
کراہ کر فرش پر ڈھیر ہو گیا اسی لمحے
کمرے میں دو فائر ہوئے سہیل درانی
نے خود کو گالیون کی زد سے بچانے
کی ہر ممکن کوشش کی مگر ایک گولی
سنسناتی ہوئی اس کے دائیں بازو میں
داخل ہو گئی ۔ اور اس کے بازو سے
سُرخ سُرخ خون ابل پڑا ۔ یہ دیکھ کر
دراز قد نقاب پوش اور فنٹومس اس کی

طرف بڑھے اور اُسے بڑی بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا ۔

سہیل درانی اچانک زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا ۔ اس کے زمین پر گرتے ہی دونوں واپس اپنی اپنی جگہ پر آ گئی سہیل درانی نے مجرموں کے لئے ایک اندھی چال چلی تھی جس میں وہ کامیاب ہو چکا تھا ۔ دراز قد نقاب پوش نے پروفیسر کے گال تھپتھپا کر اسے ہوش دلانے کی کوشش کی ۔ پانچ منٹ کی کوشش کے بعد پروفیسر اب بھی وقت ہے بتا دو فارمولا کہاں ہیں ۔ ورنہ تمہیں بڑی اذیت ناک موت مرنا ہو گا مگر جواب میں پروفیسر کے لب مضبوطی سے جمے رہے۔

فٹومس پروفیسر کی آنکھیں پھوڑ دو۔

دراز قد نقاب پوش نے غراتے ہوئے کہا۔ فظومس پروفیسر کی طرف بڑھا اس نے اپنی جیب سے دوبار یک سلاخیں نکالی اور انہیں پوری قوت سے پروفیسر آنکھوں میں جھوک دیا ۔ پروفیسر نے ایک طویل چیخ ماری اور اس کی آنکھوں سے کون کی لکیریں جاری ہو گئیں ۔ چیخ سنتے ہی سہیل درانی نے اپنی جگہ سے ایک جست لگائی اور فظومس سے جا ٹکرایا ۔ پروفیسر کے حلق سے مسلسل چیخیں ابل رہی تھیں اور اس کی آنکھوں سے خون اُبل اُبل کر چہرے کے راستے اس کی قمیض پر گر رہا تھا ۔

اتنا درد ناک منظر دیکھ کر انسپکٹر محمود اور کانسٹیبلوں کی آنکھیں بھر آئیں اور انہوں نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں ۔ فظومس سے ٹکراتے ہی سہیل

درانی نے ایک زور دار گھونسہ اس کے جبڑے پردے مارا فنٹومس سے ٹکرتے ہی سہیل درانی نے ایک زور دار گھونسہ اس کے جبڑے پر دے مار ا فنٹومس کراہ کر زمین پر گرا ڈین بریڈی اور ایمبلر نے ایک ایک فارئر سہیل درانی کی طرف جھونک دیا دونوں گولیاں سنسناتی ہوئی سہیل درانی کی بائیں ٹانگ میں جالگیں ۔ تکالیف کے ماد سے اس کے منہ سے چیخیں شروع ہو گئیں ۔ اور چہرے پر نقاہت سی طاری ہونے لگی ۔ درانی لڑکھڑاتے قدموں سے نیچے گر ااور بے ہوش ہو گیا ۔

دراز قد نقاب پوش نے فنٹومس ڈین بریڈی اور ایمبلر سے چلاتے ہوئے تم اب مرتبہ پھر تجربہ گاہ میں جاؤ اور اصل فارمولا تلاش کرو ۔ چاروں پلٹے اور

اسی وقت کمرے سے نکل گئے ۔ مجرموں کے باس نے ایک نظر پروفیسر کو دیکھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی ۔

تقریباً آٹھ گھنٹے بعد فنڈومس اپنے تینوں ساتھیوں سمیت دوبارہ کمرے میں داخل ہوا ناکامی اس کے چہرے سے مترشح ہو رہی تھیں ۔ کمرے میں داخل تجربہ گاہ میں نہیں ملا۔ اوں۔۔۔ نوں۔۔۔۔ باس نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا ۔مجھے ہر قیمت پر وہ فارمولا چاہیے فنڈومس میں اپنے ملک ایک فاتح کی حیثیت سے جاننا چاہتا ہوں اگر مجھے فارمولا ملا تو میں اور تم سب موت سے نہیں بچ سکتے ناکامی کی صورت میں ہم سب کو موت کی وادی میں دھکیل دیا جائے گا ۔ جاؤ ایک مرتبہ پھر

کوشش کرو باس نے غراتے ہوئے کہا
۔

اور چاروں کمرے سے باہر نکل گئے
۔ باس میرا خیال ہے کہ پروفیسر ہیڈ
کوارٹر لے جا میں ایک نقاب پوش نے
باس سے متفکر لہجے میں جواب دیا پندرہ
منٹ بعد فنٹومس دوبارہ کرے میں داخل
ہو ا مگر اب بھی اس کے چہرے
ناکامی کے آثار تھے۔ یہ دیکھ کر ان
کا باس جھلا اٹھا اس نے تقریباً چیختے
ہوئے اپنے ساتھیوں کو پروفیسر کو
اٹھانے کا حکم دیا ۔ ایمبلر ڈین بریڈی
اور شزاش جلدی سے پروفیسر کی طرف
بڑھے ۔ ٹھیک اُسی لمحے سہیل درانی اپنی
جگہہ سے اچھلا اور ان کے باس سے
ٹکرا گیا ۔ تینوں نقاب پوش شیزاس ایمبلر
اور فنٹومس اس کی طرف بڑھے ۔ خبر

دار اپنی جگہ سے اگر حرکت کی تو تمہارے باس کی خبر نہیں سہیل درانی نے ان کے باس کی گردن دبوچتے ہوئے کہا ۔

وہ جہاں تھے وہیں کے وہیں کھڑے رہ گئے ۔ دراز قد نقاب پوش کی گردن سہیل درانی کے ہاتھوں شکنجے میں جگڑی ہو ئی تھی ۔ سہیل درانی نے باس کی گردن دباتے ہوئے اسے حکم دیا۔ اپنے ساتھیوں سے کہو کہ وہ پروفیسر انسپکٹر اور کانسٹیبلوں کو کھول دے ۔ باس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا ۔

چند لمحوں بعد پروفیسر انسپکٹر محمود اور چاروں کانسٹیبل رسی کی بندشوں سے آزاد ہو چکے تھے ۔ پروفیسر اپر ابھی تک نیم

بے ہوشی کی حالت طاری تھی ۔

سہیل درانی نے انسپکٹر محمود کو اشارہ کیا۔ انسپکٹر محمود نے اپنا ریوالور نکال کر فٹھومس اور اس کے ساتھیوں پر تان لیا۔ پھر سہیل درانی نے کانسٹیبلوں کو اشارہ کی کہ وہ فٹھومس اور اس کے ساتھیوں کو باندھ دیں۔ دوسرے ہی لمحے فٹھومس اور اس کے ستھی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے جبکہ ان کا باس ابھی تک سہیل درانی کے ہاتھوں میں قید تھا ۔ انسپکٹر محمود نے آگے بڑھ کر باس کو بھی رسیوں سے جکڑ دیا ۔ پروفیسر خان فیضان خان مکمل ہوش میں آ چکے تھے ۔ تکلیف کے آثار ان کے چہرے سے صاف ظاہر وہ رہے تھے ۔ شکر ہے کہ اصلی فارمولا دشمنوں کے ہاتھوں میں آنے سے بچ گیا پروفیسر نے کمزور سی

آواز میں کہا ۔

مگر پروفیسر اصلی فارمولا ہے کہاں ۔ انسپکٹر محمود نے حیرت سے پوچھا ۔ انسپکٹر میرے پاس وقت بہت کم ہے میں فارمولا تمہارے حوالے کر رہا ہوں ۔ تم اسے پروفیسر مقصود راہی کے حوالے کر دینا ۔ یہ کہہ کر پروفیسر نے ٹٹول کر اپنی گھڑی کو چھوا دوسرے ہی لمحے گھڑی کا ڈائل کسی ڈھکن کی طرح اپنی جگہ سے ہٹ پروفیسر نے انگلیون کی مدد سے گھڑی سے ایک تہہ کی اہوا کاغذ نکالا اور انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا ۔

پروفیسر اور سہیل درانی پر نقابت سی طاری ہور رہی تھی ۔ پروفیسر اگر فارمولا آپ کے پاس موجود تھا آپ تجربہ گاہ کی طرف کوکیوں بھاگے تھے۔انسپکٹر محمود

نے پروفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا انسپکٹر اگر میں دشمنوں پر یہ ظاہر نہ کرتا کہ وہ فارمولا اصلی نہیں ہے تو وہ تجربہ گاہ کو تباہ کر دیتے ۔ مجھے یقین تھا کہ دشمن فارمولے تک پہنچ کر دم لیں گے۔ اس لئے میں نے اصلی فارمولے کو اپنی اس گھڑی میں چھپا دیا تھا اور فارمولے کی ایک نقلی کاپی تیار کر کے تجربہ گاہ کی خفیہ تجوری میں چھپا دیا ۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فارمولا دشمنون کے ناپاک ہاتھوں میں جانے سے بچ گیا ساتوں مجرم مایوسی سے فارمولے کی طرف دیکھنے لگے رفتہ رفتہ پروفیسر کی حالت غیر ہونے لگی ۔ پروفیسر کا جسم زخموں سے داغدار ہو چکا تھا ۔ اور آنکھوں سے ابھی تک خون رس رہا تھا

۔ اچانک پروفیسر نے ایک ہچکی لی اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے ۔ سہیل درانی اور انسپکٹر محمود جلدی سے پروفیسر کی طرف بڑھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دوسری طرف سہیل درانی بھی زخموں سے چور ہو چکا تھا۔

دھیرے دھیرے اس کی تکلیف میں بھی اضافہ ہوتا گیا ۔ وہ لڑ کھڑا کر زمین پر گرا انسپکٹر محمود جلدی سے اس کی طرف بڑھا مگر سہیل درانی بھی ان کا ساتھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے دنیا کو خیر باد کہہ گیا ۔ دونوں اپنی قوم کے ہیرو بن گئے اور بنی نوع انسان کو تباہی سے بچا کر خود اپنی قوم پر شہید ہو گئے واقعی ایسے لوگ بہت عظیم ہوتے ہیں جو دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کرتے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

فائل کا ہنگامہ

محکمہ خارجہ کا دفتر شام پانچ بجے بند ہوتا تھا ۔ ہیڈ کلرک اشرف نے گھڑی پر نظر ڈالی پانچ بجنے میں چند منٹ باقی تھے ۔ گویا دفتر بند ہونے کا وقت ہو چُکا تھا ۔ اُس نے میز پر لگے ہوئے فائلوں کے انبار پر نظر ڈالی پھر ٹھنڈی سانس لے کر اُٹھا اور فائلوں میں لگانے لگا ۔ دس منٹ میں وہ تمام فائلوں کو الماریوں میں سیٹ کر چُکا تھا ۔ الماریوں کو لاک کرنے کے بعد اُس نے اپنا دستی بیگ اُٹھا یا اور دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی نے اسے رُکنے پر مجبور کر دیا ۔ اس نے گردن موڑ کر میز پر رکھے ہوئے سیاہ ٹیلیفون کو گھور کر لمبی سانس لے کر

آگے بڑھا اور ریسیور اُٹھا کر بولا

''اشرف بول رہا ہوں''

تم گھر جانے کی بجائے ہوٹل گُلفشان کی میز نمبر پندرہ پر پہنچ جاؤ۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اشرف کی آنکھوں میں اُلجھن کی لہر دوڑ گئی کیونکہ آواز انجانی تھی اور پھر وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اسے ہوٹل گُلفشاں کیوں بُلایا گیا ہے؟ ریسیور کو کریڈل پر ڈال کر اُسنے کوٹ کی اندرونی جیب سے پستول نکالا اور اُس کا چیمبر چیک کیا۔ چیمبر گولیوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ اطمینان کرنے کے بعد باہر نکل آیا دروازے کو لاک کرنے کے بعد اُس کے ہوٹل گلفشاں کی طرف

روانہ ہوگیا ۔

ہوٹل گلفشاں شہر کا مشہور ترین ہوٹل تھا اور ایک بہت بڑی بارونق شاہراہ پور واقع تھا۔ اشرف نے گلفشاں ہوٹل پہنچ کر موٹر سائیکل ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں کھڑ کیا اور خُود داخلی دروازے کے ذریعے ہوٹل کے ہال میں داخل ہو گیا ۔ میز نمبر پندرہ رپر صرف ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا ۔ اُس آدمی نے قیمتی سُوٹ پہن رکھا تھا ۔ سر پر پی کیپ تھی ۔ شکل و صورت سے وہ کوی غیر ملکی دکھائی دیتا تھا ۔ اشرف آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس اجنبی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا ۔ اجنبی کی نظریں میز پر گڑیں ہوئیں تھیں اور وہ گہری سوچوں میں کھویا ہوا تھا ۔اس لئے اُسے اشرف کے آں ے کا علم نہ ہو ا۔ اشرف نے تیز

لہجے میں پُوچھا۔

''کیا آپ نے ہی مُجھے یہاں بُلایا ہے''؟

اجنبی نے چونک کر سر اوپر اٹھایا ۔ اشرف کو دیکھ کر ہولے سے ہنسا اور بولا ۔

''جی ہاں! میں نے ہی بُلایا ہے۔ بیٹھئے ۔''

اشرف دوسری کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا ۔

میں نے آپ کو پہچانا نہیں ۔

''آپ مجھے پہچان بھی کس طرح سکتے ہیں '' اجنبی نے مسکرا کر کہا ''جب کہ اس سے پہلے یں کبھی آ سے ملا ہی نہیں ۔ ویسے میں آپ کا خیر خواہ

اور دوست ہوں ''۔

''کھل کر بات کرو میں کچھ سمجھ نہیں سکا ''۔ اشرف نے چونکتے ہوئے کہا ۔

''اطمینان سے بات کریں گے پہلے چائے پی لیں ''

اجنبی نے کہا اور بیرے کو چائے لانے کا حکم دیا ۔ بیرا گرم گرم چائے لے آیا اجنبی نے ایک کپ میں چائے ڈال کر اشرف کو پیش کی اور دوسرے کپ میں چائے ڈال کر خود چسکیاں لینے لگا ۔ چائے پینے کے بعد اجنبی نے رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا ۔

'' اگر تم معمولی کلرک کی زندگی چھوڑ کر امیر انہ ٹھاٹ بھاٹ کی زندگی گزارنہ چاہتے ہو تو میرا ایک معمولی کام

کر دو"۔

"کیا مطلب ہے تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟" اشرف نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بہت معمولی کام ہے" اجنبی نے کہا "مجھے فائل نمبر ۱۱۳ کی فوٹو کاپیاں درکارہیں اس کا م کے عوض میں تمھیں ایک لاکھ روپے اد ا کروں گا"

"فائل ۔فف ۔ فائل نمبر۱۱۳ اشرف کی سٹی گُم ہو گئی ۔ کیونکہ فائل نمبر ۱۱۳ کوئی معمولی نوعیدت کی فائل نہیں تھی بلکہ اس فائل میں مُلک کی تمام اسلحہ ساز فیکٹریوں کے راز تفصیل سے درج تھے کہ فلا ں فیکٹری کون سا اسلحہ بناتی ہے کتنی مقدار میں بناتی ہے؟ اور اس اسلحہ کو کہاں سٹاک کیا جاتا

ہے یہ فائل وزیر دفاع نے خفیہ طور پر اشرف کے حوالے کی تھی اور اس کی سخت حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا ۔ ا س وقت اشرف گُم سُم رہ گیا فائل نمبر۱۱۳ اجنبی کے حوالے کرنا ملک کی سلامتی کو خطر ے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔

کتنی ہی دیر تک اشرف اپنے سر کو تھامے سوچوں میں گُم رہا ۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے؟ اگر وہ ایک لاکھ روپیہ حاصل کرنے کے لئے فائل نمبر ۱۱۳ کی فوٹو کاپیاں اجنبی کے حوالے کر دیت اتو ملک کے امن کو شدید خطرہ لاحق ہو جاتا کیونکہ اجنبی یقینی طور پر دُشمن کے ملک کا جاسوس تھا اور فائل نمبر ۱۱۳ کی فوٹو کاپیاں حاصل کر کے اپنے ملک کو پہنچانا چاہتا

تھا ۔ طویل خاموشی کے بعد اجنبی نے کہا۔

'' کیا سوچ رہے ہو بھئی؟ کیا تمہارے لئے ایک لاکھ روپے میں کوئی کشش نہیں ؟''

''جی وہ ۔۔۔۔۔'' اشرف ہکلا کر رہ گیا ۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اجنبی کو کیا جواب دے جبکہ اجنبی دوبارہ پھنکا ر کر بولا ۔

''میں تمہیں ایک بات اور بتا دیان چاہتا ہوں ۔ وہ یہ کہ اگر تُم نے میرا یہ کام نہ کای تو پھر تم اس دنیا میں نہ رہ سکو گے''۔

اشرف نے قہر آلود نگاہوں سے اجنبی کو گُھور ا جو دُشمنی پراُتر آیا تھا ۔[

''میں اس قسم کی دھمکیوں میں آنے والا نہیں ہوں۔'' اشرف نے غرا کر کہا۔ ''میں صرف اپنی مرضی سے کام کرنا جانتا ہوں۔ آئندہ مجھے ایسی دھمکی مت دینا۔ کام کے متعلق کال تمہیں سوچ کر جواب دوں گا کہ ہو سکتا ہے یا نہیں''

''بہت خُوب! مگر یہ یاد رکھنا کہ انکار کی صورت میں موت ضرور تمہارا مقدر بن جائے گی۔ گل مجھے اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۰ میں ملنا'' یہ کہہ کر اجنبی اُٹھ کڑا ہوا۔ اشرف بھی بوجھل قدموں سے اُٹھا اور کمپاؤنڈ سے اپنا موٹر سائیکل نکال کر گھر روانہ ہو گیا۔

راستے میں اشرف اسی کشمکش میں مُبتلا

رہا کہ اجنبی کی پیش کش مان لے یا ٹھکرا دے ۔ بقل اجنبی کے کہ انکار کی صورت میں موت اس کا مقدر بھی تھی ۔ مگر اشرف موت سے ڈرنے والا نہیں تھا ۔ وہ محکمہ خارجہ کا ملازم تھا اور محکمہ خارجہ والوں کو اکثر ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔

خیالات میں گُم اشرف گھر پہنچ گیا ۔ جُونہی وہ گھر میں داخل ہوا اُس کی بیوی رضیہ نے پوچھا ۔

''آج آپ دیر سے آئے ہیں ۔ کیا کوئی خاص بات تھی ۔'' ''نہیں ! ویسے ہی دیر ہو گئی ۔'' اشرف نے مختصر جواب دیا اور آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں گُھس گیا ۔ اس کا ذہن اس قدر اُلجھا ہوا تھا کہ خلاف معمول

اُس نے اپنے بچوں کو پیار بھی نہ کیا
۔

آخر وہ بستر پر لیٹ گیا اور سوچا۔ کیوں نہ اجنبی کی بات مان لی جائے مگر ضمیر نے ملامت کی کہ یہ وطن سے غداری ہے ۔ شیطان نے فوراً آوازہ کسا۔ فائل ۱۱۳ کی فوٹو کاپیاں اجنبی کو دے دور اور اپنا اُلو سیدھا کرو ۔ ضمیر نے ٹوکا چند روپوں کی خاطر مُلک کی سلامتی کا سودا نہ کرو یہ غداری ہے بہت بُرا اقدم ہے ۔ دل و دماغ میں جنگ ہوتی رہی ۔ اشرف کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا تھا ۔ رات کی سیاہی ہر طرف پھیل چُکی تھی ۔ اشر ف نے رات کا کھانا بھی نہ کھایا ۔ اُس کا ذہن بُری طرح اُلجھا ہوا تھا نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی ۔ اجنبی

کی بات نے اسے بُری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا ۔ سوچتے سوچتے نیند سے اُس کی پلکیں بوجھل ہو گئیں ۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلتا رہا ۔ اسی شش و پنج میں بالآخر اُسے نیند آگئی اور وہ نیند کی گہری وادی میں اُترتا چلا گیا ۔

صبح اشرف کی آنکھ کُھلی تو اسے تیز بخار ہو چکا تھا قریب ہی اُس کی بیوی رضیہ بیٹھی پانی کی پٹیاں اُس کے ماتھے پر رکھ رہی تھی ۔ اشرف نے آنکھیں کھولیں تو رضیہ نے فوراً پوچھا ۔

''اشرف ! سچ سچ بتاؤ کہ کیا بات ہے؟ کل سے تم بہت پریشان ہو ۔ اسی پریشانی کی وجہ سے تمہیں بخار بھی ہو گیا ہے ''

اشرف نے ٹالنے کی بہتری کوشش کی مگر رضیہ نہ مانی مجبوراً اُسے اصل بات بتانی پڑی ۔ سُن کر رضیہ کا چہرہ غیض و غضب کی تصویر بن گیا ۔ وہ جوش سے بے قابو ہو کر بولی ۔

" اشرف ! قسم ہے تمہیں پیدا کرنے والے کی ۔ اگر تُم نے ایسی ذلیل حرکت کی ۔چند پیسوں کی خاطر اس پیارے وطن سے غداری مت کرنا ۔ اس وطن کی خاطر نہ جانے کتنے مسلمانوں نے اپنے سر کٹائے ۔اُنہوں نے اس وطن کی خاطر اپنے بیوی بچوں تک کو قُربان کر دیا ۔ اس وطن کو حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر بار لُٹا ئے ۔ خود میرا باپ ' میرا بھائی فسادات میں شہید ہوئے مگر میں نے آنسو نہیں بہائے ۔مجھے اس بات پر فخر تھا کہ

انہوں نے یہ پاک وطن بنانے کی جدو جہد میں جان دی ۔ لیکن افسوس کہ آج کے مسلمانوں کو اس کی عظمت کا علم نہیں کاش وہ سمجھ سکیں کہ اس ملک کی بنیادوں میں لاکھوں مسلمانوں کا خون شامل ہے ۔۔۔ اشرف قسم ہے پالنے والے کی اگر تم وطن کی عظمت پر آنچ آنے دو ''

رضیہ کی آواز رندھ گئی ۔ اُس کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے یہ دیکھ کر اشرف چلا اُٹھا ۔

'' رضیہ ! تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے وطن سے کبھی غداری نہیں کروں گا '' یہ کہہ کر اشرف نے بستر سے چھلانگ لگائی اور موٹر سائیکل کی طرف

لپکا ۔ رضیہ چیختی ہی رہ گئی کہ مٹ کہیں جاؤ ۔ تمہیں تیز بُخار ہے مگر اشرف نے اس کی ایک نہ سُنی ۔ اس کا خون وطن کی محبت میں جوش مارنے لگا تھا ۔ اس نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور ہوٹل گلفشاں کی طرف روانہ ہو گیا ۔ وہاں پہنچ کر اُس نے ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں موٹر سائیکل کھڑی کی اور لفٹ کی جانب لپکا ۔ کیونکہ کمرہ نمبر ۲۰ دوسری منزل پر واقع تھا بیس نمبر کمرے کے سامنے پہنچ کر اُس نے دروازے پر دستک دی ۔ فوراً ہی دروازہ کُھلا اور اجنبی نے مسکرا کر اشرف کا استقبال کیا ۔

" مجھے یقین ہے کہ تم نے میرا کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو گا ۔ لیکن یہ تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج

رہے ہیں '' ؟

''خاموش کالے بھیڑیئے '' اشر دھاڑا ۔ میں نے تمہارا کام نہیں بلکہ تمہارا کاتمہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔یہ کہہ کر اشرف نے جیب سے پستول نکال لیا ۔ اجنبی کے وہم و گُمان مں بھی یہ خیال نہ تھا کہ اشرف اس طرح پیش آئے گا ۔ وہ غصے سے دانت کچکچا کر بولا ۔

'' تو گویا تم نے اپن موت کو آواز دے ہی دی '' ۔ اشرف نے کوئی جواب دینے کی بجائے اُس پر فائر کر دیا مگر یہ کیا ؟ اجنبی فوراً نیچے گر گیا اور گولی کمرے کی دیوار کا پلستر اکھاڑنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی دوسرے ہی لمحے اجنبی بجلی کی سی پھرتی

سے اُٹھا اور پھر جو کچھ ہوا اشرف کو اس کی ہر گز اُمید نہ تھی اجنبی چھلاوے کی مانند اُچھلا اور اُس کی دہنی ٹانگ اشرف کے پستول والے ہاتھ پر پڑی ۔ پستول اشرف کے ہاتھ سے نکل ر دور جا گرا ۔ اشرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے اجنبی کو گھورنے لگا ۔ اجنبی مسکرا کر بولا ”میں اب بھی تمہیں موقع دیتا ہوں کہ اپنا فیصلہ بدل لو ۔ فائدے میں رہو گے ورنہ میری تیزی کا ایک معمول نمونہ تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے“ ۔

”ہونہہ“ ۔ اشرف نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے ”میں دفتر فون کر کے تمہارا فیصلہ معلوم کر لوں گا ۔ اجنبی نے کہا ۔

کوئی جواب دیئے بغیر اشرف تیزی سے مڑا ار لفٹ کے ذریعے نیچے ہال میں آیا وہ جان چکا تھا کہ اجنبی سے دو دو ہاتھ کرنا معمولی بات نہیں ۔ اجنبی تو اس کی توقعات سے کہیں بڑھ کر پھرتیلا نکلا تھا۔

باتھ روم جا کر اشرف نے اپنا حلیہ درست کیا اور بیرے کو ناشتہ لانے کا کہا ۔ کیونکہ رات سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا ۔ ناشتہ کرنے کے بعد اُس نے ایک میڈیکل سٹور سے اسپرین کی ٹکیاں لے کر کھائیں ۔ جس سے بار کسی حد تک کم ہو گیا۔

دفتر پہنچ کر اشرف نے سب سے پہلے فائل نمبر ۱۱۳ الماری سے نکالی اور اُسے ایک خفیہ دراز میں رکھ کر دراز

کو پوشیدہ تالے سے لاک کر دیا ۔ اطمینان کرنے کے بعد وہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ ک رکُرسی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا ۔ اُس نے اجنبی جاسو س سے کیسے چُھٹکارا حاصل کای جائے ۔ سوچتے سوچتے آخر اُس نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ بنا یا۔ اب اُسے اجنبی کے ٹیلی فون کا انتظار تھا ۔

تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ۔ اشرف نے ٹھنڈی سانس لے کر ریسیور اُٹھایا اور بولا ۔

'' ہیلو ! اشرف بول رہا ہوں ''۔

''پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے ؟ کیا میرا کام کرنے ک وتیار ہو

دوسرے طرف سے اجنبی کی آواز آئی ۔

ہاں! میں تیا ر ہوں ۔'' اشرف نے کہا۔ ایک لاکھ روپے تیار رکھو ۔ میں فائل نمبر ۱۱۳ کی فوٹو کاپیاں لے کر آرہا ہو ں ۔''

شاباش یہ ہوئی نا بات ! روپیہ تیار ہے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں اجنبی جاسوس نے کہا۔ یہ سن ک راشرف نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور میز کی دراز کھینچ ک راُس میں سے پچھتر ۷۵ مینگم کا پستول نکال ۔ پستول کے چیمبر میں گولیاں بھر کر اُس نے پستول کوٹ کے بغلی ہولسٹر مں لگای پھر اپنا دستی اُٹھا کر آئی ۔ جی صاحب کمرے میں داخل ہو ا۔

اشرف نے آئی۔ جی صاحب کو پورا واقعہ سنانے کے بعد اپنے منصوبے سے

آگاہ کیا جسے سننے کے بعد آئی ۔ جی صاحب بھونچکے رہ گئے ۔ چہرے پر سناٹا چھا گیا پھر کسی قدر سنبھل کر بولے ۔

''اشرف ! میں تمہاری عقلمند ی کی داد دیتا ہوں فائل نمبر ۱۱۳ اگر دشمن کے قبضے میں چلی جاتی تو نہ صرف اسلحہ ساز فیکٹریا ں خطرے میں پڑ جاتیں بلکہ ملک کا امن بھی برباد ہو جاتا مجرم کو گرفتار کرنے کے بعد میں حکومت سے تمہیں انعام دلواؤں گا ''۔ یہ کہہ کر آئی جی صاحب نے گھنٹی کا بٹن دبایا ۔ فوراً ہی چپڑاسی اندر داخل ہوا آئی جی ۔ صاحب نے اُسے کہا۔

''انسپکٹر ریاض کو بُلاؤ''

چپڑاسی چلا گیا ۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر

ریاض اندر داخل ہوا آئی جی صاحب نے اُسے ساری بات سمجھاتے ہوئے کہا ۔

''ریاض ! سفید لباس میں ملبوس سپاہیوں کا ایک دستہ ساتھ لے لو ۔ گلفشاں ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۰ سے ایک غیر ملکی جاسوس کو گرفتار کرنا ہے ۔ تمہاری رہنمائی اشرف کرے گا ۔ یاد رکھنا وہ جاسوس بڑا اہم آدم ہے ۔ فرار نہ ہونے پائے''۔

''بہت اچھا سر ! '' انسپکٹر ریاض نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا اشرف نے بھی اپنا دستی بیگ اُٹھایا اور ساتھ ہو لیا ۔ اس نے اپنے منصوبے سے انسپکٹر ریاض کو بھی آگاہ کر دیا تھا ۔

گلفشاں ہوٹل کی ناکہ بندی کر دی

گئی ۔ سفید لباس والوں نے کمرہ نمبر ۲۰ پر دستک دی ۔ اُس کا ایک ہاتھ پستول کے دستے پر جم چُکا تھا ۔ اجنبی جاسوس نے دروازہ کھولا اور مسکرا کر اشرف کا استقبال کیا۔

"یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے ۔ ایک لاکھ روپیہ کچھ کم رقم تو نہ تھی کہ تم نہ مانتے"

اشرف نے جواب دینے کی بجائے پھرتی سے پستول نکالا ار اُس کی ٹھنڈی نال اجنبی جاسوس کی گردن پر لگاتے ہوئے غرایا ۔

"خبر دار ! ! میرے ہاتھ میں پچھتر مینگم کا پستول ہے ذرا حرکت کی تو گردن مں سوراخ ہو جائے گا ۔ تم شائد نہیں جانتے کہ ایک لاکھ روپیہ تو

کیا ۔ کروڑوں روپے سے بھی وطن کی سا لمیت نہیں خریدی جا سکتی۔

اجنبی ہکا بکا رہ گیا ۔ اُس کے وہم و گُمان میں بھی نہ تھا کہ اشرف اس بار بھی چکر چلا جائے گا ۔ اشرف نے پستول کی نال بدستور اُس کی گردن سے لگائے رکھی اور منہ سے تیز سیٹی کی آواز نکالی فوراً ہی دو سپاہی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پکڑے اندر داخل ہوئے مگروہ جونہی قریب آئے کھیل کا پانسہ پلٹ گیا ۔ اُن کے قریب آتے ہی اجنبی جاسوس نے اپنی ایک ٹانگ اشرف کی ٹانگوں پر اس زور سے ماری کہ اشرف چاروں شانے چت گرا ساتھ ہی سپاہیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا

۔

اس سے پہلے کہ سپاہی سنبھلتے دشمن کا جاسوس اشرف کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پستول پر قبضہ کر چکا تھا سپاہیوں کے کھڑا ہوتے ہی اس نے اُن پر دو فائر جھونگ دیئے ۔ مگر وہ بھی محکمہ خارجہ کے سپاہی تھے گولیوں کی ذر سے بچ نکلنا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا انہوں نے دائیں بائیں لڑھکنیان کھاء اور گولیان دروازے میں سوراخ کر تی ہوئی باہر نکل گئیں یہ دیکھ کر اجنبی جاسوس نے پھر دو فائر کر دیئے مگر وہ بھی ضائع گئے ۔ سپاہیوں نے پھرتی سے خود کو بچایا دشمن جاسوس نے نشانہ تاک کر وہ بھی سپاہیوں پر داغ دیں ۔ مگر گولیاں سپاہیوں کو کیا لگتیں ۔ وہ تو سنسناتی ہوئیں دیوار میں پیوست ہو گئیں ۔ سپاہی اُس کا مضحکمہ اُڑاتے

ہوئے آگے بڑھے ۔ مگر اچانک ہی جاسوس یوں اُچھلا جیسے اُسے سپرنگ لگے ہوں وہ سپاہیوں کے اوپر سے ہوتا ہوا دروازے کے سامنے آگرا پھر پھرتی سے اُٹھا اور باہر کو بھاگا لیکن اسی وقت بیسون بندوقوں کی ٹھنڈی ٹار نالیں اس کی گعدن سے آلگیں کیونکہ باہر سفید لباس میں ملبوس سپاہی چوکس کھڑے تھے۔ جیسے ہی جاسوس باہر نکلا انہون نے اسے بندوقوں کی نالیوں پر رکھ لیا ۔ اب بیسوں بندوقوں کی زد سے نکلنا اُس کے بس کا روگ نہ تھا وہ جس حالت میں تھا اُسی حالت میں جم کر رہ گیا چنانچہ اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں ۔ اشرف بہت خوش تھا ۔ اُس کی کوششوں سے دشمن کا جاسوس بالآخر گرفتار ہو گیا ۔ جاسوس کو محکمہ

خارجہ کے دفتر لایا گیا اور آئی ۔ جی صاحب کے سامنے پیش کیا گیا ۔

جاسوس پر نظر پڑتے ہی آئی ۔جی کی آنکھیں مارے حیرت کے کُھلی رہ گئیں ۔ کیوں کہ وہ ہمسایہ دشمن ملک کراؤن لینڈ کا نامی گرامی جاسوس ''جوزف'' تھا ۔

جوزف نے پہلے بھی ملک کے بہت سے راز چُرائے تھے اور ہر بار بھاگ جاتا تھا ۔ اب وہ فائل نمبر ایک سو تیرہ حاصل کرنے آیا تو پکڑا گیا ۔

آئی ۔جی صاحب نے اشرف کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا ۔

اشرف تمہارا کارنامہ ہمیشہ یاد رہے گا ۔ تم نے ملک کی سلامتی کے لئے جان کی بازی لگا دی ''

یہ سُن کر اشرف نے ادب سے سر جُھکا کر کہا ۔ ”جناب ! یہ تو میرا فرض تھا آخر میں بھی اپنے اس پیارے وطن کا شہری ہوں۔ اور وطن کا مجھ پر حق بنتا ہے ۔ کیونکہ میں اسی وطن ک انمک کھاتا ہوں“

یہ سُن کر آئی ۔جی صاحب بہت خوش ہوئے ۔ اُنہوں نے اشرف کو شاباش دی اور دوسرے دن ایک پریس کانفرنس میں اشرف کو نہ صرف ایک لاکھ روپیہ انعام دیا گیا بلکہ بڑے عہدے پر ترقی بھی دے دی گئی ۔ اور اشرف ! وہ تو خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا ۔ فائل کے ہنگامے نے اُس کے دماغ کی چُولیں ہلا کر رکھ دیں تھیں ۔ مگر اب ایک لاکھ روپیہ اور بڑے عہدے پر ترقی پاکر اُس کی خوشی

دیدنی تھی ۔

فائل کا ہنگامہ تو بالآخر ختم ہو گیا تھا مگر اشرف کو ہمیشہ یاد رہا ۔ اُس نے وطن کی سا لمیت کے لئے اپنی جان کی بازی لاگا دی مگر وطن کی عظمت پر آنچ نے آنے دی ۔

پیارے بچو!

اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کبھی وطن پر بُرا وقت آن پڑے تو اُس کی عظمت و سلامتی لئے تن من دھن کی بازی لگا دینی چاہیے۔

چار دسمبر

چار دسمبر کی رات بے حد تاریک اور سرد تھی چاروں طرف پر اسرار سناٹا چھایا ہوا تھا ۔ بحر ہند کی گود بالکل خالی اور ویران تھی ۔ ایسے ماحو ل میں پاکستانی بحریہ کا ایک جہاز پی ۔این۔ ایس محافظ اپنے سفر پر رواں دواں تھا۔ پی ۔این۔ ایس ۔ محافظ کے کمانڈر شاہد عثمانی اور لیفٹننٹ ریاض دیر سے افق سے نظریں جمائے کھڑے گے انہیں جب کوئی چیز نظر نہ آئی تو انہوں نے اطمینان کا سان لیا اور نیچے کی طرف چل پڑے سارا عملہ چوکس ار تیار تھا کمانڈر نے چند ضروری ہدایات دیں اور اپنے کیبن میں داخل ہوگیا ۔

لیفٹننٹ ریاض نے جہاز کا ایک چکر

لگایا ۔ خود کار آلات کو چیک کیا راڈار سکرین پر دکھائی دی ۔ سب ٹھیک کام کر رہے تھے ۔ اس وقت وہ کراچی سے تیس میل دور گشت پر نکلے ہوئے تھے ۔ دشمن کے جہازوں کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہ تھا ۔ اُس نے مطمئن ہو کر اپنے کیبن کا رُخ کیا ۔

محافظ ' پاک بحریہ کا بارودی سر نگیں صاف کرنے والا ایک چھوٹا سا جہاز تھا اُس کے عملے کی کل تعداد تین افسروں سمیت ۴۵ تھی تین دسمبر کو جب دشمن نے وطن عزیز کی مغربی سرحدوں پر جنگ چھیڑ دی تو اسے بحر ہند میں پٹرولنگ ڈیوٹی پر لگا دیا گیا ۔ نو جوان لیفٹننٹ ریاض عبداللہ اسی روز تین بجے سہ پہر محافظ کے عملے میں

شامل ہوا تھا ۔ اس سے پہلے وہ تباہ کن جہاز عالمگیر میں الیکٹریکل آفیسر کے فرائض انجام دے رہا تھا ۔ تبدیلی کے احکامات ملنے پر جب وہ محافظ اوپر پورٹ کرنے پہنچا تو معلوم ہوا کہ جہاز پٹرولنگ پر روانہ ہو چکا ہے اسے چار دسمبر تک انتظار کرنا پڑے گا ۔

جہاز میں سوار ہونے کے بد وہ ایک پل بھی آرام سے نہ بیٹھا تھا گھوم پھرکر مسلسل مختلف آلات کی دیکھ بھا ل اور نگرانی کر تا ۔ اب ذرا فرصت ملی تو آرام کرنے کا خیال آیا کیبن میں داخل ہو کر گھڑیپر نظر دالی ساڑھے دس بج رہے تھے ۔ اُس نے وردی اُتاری ار پیرا کی کے لبا س پر لیت گیا ۔ دن بھر کا تھکا ہوا تھا اس لئے جلد ہی نیند آگئی آنکھ لگے بمشکل چند منت

گزرے تھے کہ الارم کی تیز اور چیختی ہوئی آواز نے جگا دیا ۔

وہ ہڑبڑا کر اُٹھا اور کیبن سے باہر آکر اوپر بھاگا ۔ بُرج پر کمانڈر شاہد عثمانی اور دوسرا افسر پہلے سے ہی موجود تھے وہ بی ایک ستون سے لگ کر کھڑا ہو گیا ۔ دور سامنے روشنی کا دھبہ نظر آرہا تھا اور اس روشنی کا رخ جہاز کی طرف تھا ۔ روشنی کا دائرہ پھیلتا اور وسیع ہوتا جا رہا تھا ۔

سب سے پہلے شاہد عثمانی کی نظر اس پر پڑی تھی اُس نے سمجھا شائد کے طیارے حملہ کرنے آرہے ہیں چنانچہ اُس نے فوراً الارم بجا کر سب کو چوکنا کر دیا ۔

تینوں افسر بُرج پر کھڑے روشنی کو بغور

دیکھ رہے تھے مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کای چیز ہے اور کس لئے تیزی سے قریب آرہی ہے ؟ ان کے ذہن الجھے ہوئے تھے۔ مختلف قیاس آرائیاں ہو رہی تھی ان مگر و ثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا ۔ وقتعاً عثمانی نے سر اوپر اٹھایا اور بولا

''یہ روشنی کسی طیارے کی ہر گز نہیں ہو سکتی یہ کہیں میزائل ----''

اُس کا خیال صحیح تھا ۔ مگر اب دیر ہو چکی تھی ۔ اُس کی بات ابھی ادھوری ہی تھی کہ پر اسرار روشنی جہاز کے بالکل قریب پہنچ گئی ۔

اگلے ہی لمحے ایک لخت بھونچال سا آگیا ۔ جہاز میں ایک زبر دست گونج پیدا ہوئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ٹوٹ

گیا ۔ ستائیس فٹ لمبے میزائل میں ایک ٹن بارود بھرا ہوا تھا جو کسی بڑے سے بڑے جہاز کے بھی پرخچے اُڑادینے کے لئے کافی تھا ۔ محافظ کی بساط ہی کیا تھی ۔ میزائل برج سے چھ فٹ نیچے آکر لگا ۔ اس کی آواز اس قدر بلند ار ہولناک تھی کہ اکثر افراد کے کانوں کے پردے پھٹ گئے ۔ لیفٹننٹ ریاض بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا ۔ اس کے بائیں کان کی قوت سماعت بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا ۔اس کے کان میں سوراخ ہو گیا ۔

الارم بجنے سے حادثہ ہونے تک بمشکل بیس پچیس سیکنڈ لگے شدید دھماکے نے برج پر کھڑے تینوں افسروں کو ہوا میں کئی گز اور پر اُچھا ل دیا ۔

لیفٹنٹ ریاض قلا بازیاں کھاتا ہوا جہاز
سے ستر پچھتر گز دور جا گرا ۔ پہلے
میزائل کے بعد دو میزائل اور آئے مگر
وہ جہاز کو لگنے کی بجائے پانی میں گر
گئے اس اچانک اور غیر متوقع حادثے
سے ریاض کے ہوش اُڑ گئے اسے دیر
تک اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ جہاز اور
خود ا س پر کیا بیت چکی ہے ۔
سمندر کے ٹھنڈے پانی مُں غوطے کھانے
کے بعد جب حواس کچھ بحال ہوئے تو
دم گُھٹ رہا تاھ اُس نے جلدی سے
سر پانی سے باہر نکالا اور جان بچانے
کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر
دیئے ۔ اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ و
ہ کس مقام پر ہے اُس نے آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر گردو پیش کا جائزہ لینے
کی کوشش کی مگر بے سود ۔

چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا کھوپڑی میں درد کی شدید ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں شائد کسی تختے سے سر ٹکرا گیا تھا ۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھاے اُس نے اپنے ساتھیوں کا نام لے کر پکارا لیکن اُسے کہیں سے جواب نہ ملا ۔

آخر بوجھل دل کے ساتھ سوچنے لگا ۔ نہ جانے اُن پر کای گزری کوئی زندہ بھی بچا یا بچا ہی نہیں ۔ اپنی جان تھوڑی دیربعد اُس نے پھر آوازیں دیں مگر سائیں سائیں کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہ دی وہ مایوس ہو کر خاموشی سے تیرنے لگا ۔ ریاض ایک بہترین تیراک اور مضبوط جسم کا مالک تھا ۔ وہ باآسانی گھنٹوں تیر سکتا تھا اتنی دیر میں کہیں نہ کہیں سے مدد

ضرور پہنچ جاتی ۔ لیکن ساتھیوں کے بغیر زندگی کس کام کی۔ اُس کی آنکھیں بھر آئیں ۔آنسوؤں کو پونچھنے کے لئے دائیں آنکھ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو کلیجہ دھک سے رہ گیا ۔ ہاتھ آنکھ تک نہ پہنچ سکا ۔ اس نے سوچا ۔ شائد آنکھیں جاتی رہی ہیں ۔ مگر ایسا نہیں تھا ۔ اُس کی آنکھیں سلامت تھیں ۔ البتہ میزائل کی زہریلی گیس سے متاثر ہو کر سوجھ گئی تھیں ۔ بائیں آنکھ پر ورم کم تھا ۔ اُس نے انگلیوں کی مدد سے پپوٹے اٹھائے سامنے پانی میں جھلملاتے ہوئے ستاروں کا عکس دکھائی دیا ۔ اُس نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی ۔ اور اپنے ارد گرد سے نظر ڈالی اس وقت تک چاند بھی نکل آیا تھا اور چاروں طرف اس کی ہلکی ہلکی

روشنی پھیلی ہوئی تھی ۔ ہلکی چاندنی میں کافی فاصلے پر جہاز کا ہیولا نظر آرہا تھا جو ہر لمحے مختصر ہوتا جا رہا تھا ۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا ۔ ایک ہاتھ سے بائیں آنکھ کے پپوٹے کو اُٹھائے وہ اس منظر کو دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ تیر نے کا ہوش نہ رہا ۔ اچانک ایک غوطہ آیا اور بد ذائقہ نمکین پانی حلق سے نیچے اترا تو انتڑیوں میں آگ لگ سی گئی ۔ اس نے زور سے سر کو جھٹکا ارور پانی منہ سے نکال کر بد حواسی سے جلدی جلدی ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے ۔

رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی ۔ وہ دیر تک ادھر اُدھر تیر تا رہا ۔۔۔ ایک مرتبہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے قریب ہی مختلف لوگوں کے چیخنے چلانے

کی آوازیں سنائی دے رہی ہوں ۔ یہ آوازیں مدہم سی بھنبھاہٹ سے زیادہ نہ تھیں ۔ پھر اُسے اپنے کمانڈر شاہد عثمانی کی آواز بھی سنائی دی ۔ کوئی ہے ۔ بھئی کوئی ہے۔۔۔۔ ریاض نے جواب دینے کے لئے منہ کھولنا چاہا تو پورے منہ میں درد کی شدید لہر دوڑ گئی ۔ اور منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی ۔ چہرے پر ہاتھ پھیرا تو معلوم ہوا کہ نچلا جبڑا اُتر گیا ۔ اس نے پوری قوت صرف کر کے منہ کو بھینچنے کی کوشش کی مگر اُتری ہوئی ہڈی اپنی جگہ پر نہ آسکی دائیں طرف سے کوئی چیز موجوں سے کھیلتی چلی آرہی تھی۔ قیرب پہنچی تو معلوم ہوا ایک تختہ ہے اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ تیزی سے تختے کی طرف لپکا اور اُسے یوں محسوس ہوا جیسے

وہ شدید زخمی ہے اُس نے جھک کر اپنے جسم کو اوپر اُٹھانے کی کوشش کی مگر کچھ نقاہت اور کچھ بازوؤں اور چھاتی کے زخمی ہونے سے وہ اپنی گرفت قائم نہ رکھ سکا اور تختے سے نیچے لڑھک گیا ۔ اس کے ساتھ ہی ایک تیز لہر نے اسے کئی فٹ پرے دھکیل دیا ۔ تیرتے تیرتے اس کے بازوں شل ہو گئے ۔ اور نقاہت بڑھنے لگی مگر اس نے ایک اور ہاتھ بڑھا اور تختے کو تام کر چلتا بنا ریاض چاہتا تو اس ہاتھ سے تختہ با آسانی چھین سکتا تھا مگر وہ یہ سوچ کر اپنی حرکت سے باز رہا کہ ممکن ہے اُس بیچارے کو میرے نسبت تختے کی زیادہ ضرورت ہو ۔ اور شائد یہ اسی نیک جذبے کا اثر تھا کہ جلد ہی یکے بعد دیگرے اسے پانچ تختے مل

گئے ۔

ریاض ایک تکتے پر لیٹ گیا ۔ اُس پر لیٹنے کے بعد وہ نہ صرف تیرنے کی جسمانی مشقت سے بچ گیا بلکہ اسے سمندری پانی کے عذاب سے بھی نجات مل گئی جس سے حلق میں چھالے پڑ گئے تھے۔حادثے کے بعد لیفٹنٹ ریاض قلا بازیاں کھاتا ہوا پانی میں گرا تو اس کی بائیں ٹانگ پر سے کٹ کر دوٹکڑے ہو گئے ۔ ٹوٹا ہوا حصہ ایک باریک تسمے سے لٹک رہا تھا ۔ اس وقت افا تفری اور پریشانی میں ذہن کے مفلوج ہونے کی وجہ سے ٹانگ ٹوٹنے کا احسا س تک نہ ہوا اور وہ اسی حالت میں تیرتا رہا سمندر کے نمین پانی نے دوا کا کام کیا اور وہ تیرتے وقت زخم کی چبھن زیادہ محسوس نہ ہوئی مگر جوہی تختے

پر لیٹا ٹانگ میں یک لخت درد کی ایک شدید لہر اٹھی اور وہ تکلیف سے دُہرا ہو گیا ۔ سارا جسم بُری طرح لرزنے لگا چہرے کے نقوش بگڑ گئے مگر اُسنے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا رفتہ رفتہ درد کی شدت خود بخود کم ہو گئی اور اُس پر غنودگی چھانے لگی ۔ یہ صورت حال خطر ناک تھی ۔ بے ہوش ہونی کی صورت میں وہ باآسانی ڈوب سکتا تھا ۔ چنانچہ اُس نے سر پر بار بار پانی ڈالناشروع کر دیا مگر ذہن پر چھائی ہوئی غنودگی کی دھند دور نہ ہو سکی ۔ اچانک اُسے ایک تدبیر سوجھی ۔ اُس پر آہستہ آہستہ دباؤ ڈالنے لگا ۔ یہ عمل نہایت کار گر ثابت ہوا اور وہ بے ہوش ہونے سے محفوظ رہا ۔

پی ۔این ۔ایس محافظ جس وقت حادثے

کا شکار ہوا اس سے تھوڑی دیر پہلے تباہ کن جہاز ''خیبر'' بھی میزائل لگنے سے اسی حشر کو پہنچ چکا تھا اور وہ چند میل آگے سمندر میں جل رہا تھا ۔

اس کے عملے کو بچانے کے لئے جو کشتیاں روانہ کی گئی تھیں ان میں ایک امدادی گن بوت کسی قدر پیچھے رہ گئی ۔ اس کے کمانڈر نے جب ایک نیا دھماکہ سنا تو اسے سخت تشویش ہوئی وہ وہیں سے واپس مڑا ۔ جب یہ گن بوت جائے حادثہ پر پہنچی تو ہر طرف جہاز کے ٹوٹے ہوئے تختے اور سامان پانی مین تیر رہا تھا۔ کئی لوگ تختوں سے چمٹے ادھر اُدھر تیر رہے تھے ۔ چنانچہ اُس نے ایک ایک کر کے سب کو گن بوٹ میں سوار کر یا لیفٹننٹ ریاض باقی ساتھیوں سے کچھ فاصلے پر تھا مگر

چاندنی میں چمکتی ہوئی سفید ڈانگڑی صاف دکھائی دے رہی تھی جب گن بوٹ اس کے قریب پہنچی تو چند لمحوں کے لئے اس کا دل بے تحاشا دھڑکا اور ذہن میں اس خدشے نے سر اُبھار ا کہ کہیں یہ دشمن تو نہیں ؟ مگر فوراً ہی اپنے اس خیال کر جھٹک دیا اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی ۔نہیں یہ دشمن نہیں اپنے ہی لوگ ہیں ''۔ دو آدمیوں نے اسے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اوپر اُٹھایا اور کشتی میں لٹا دیا ۔ اس نے سُنا کوئی کہہ رہا تھا

'' ارے یہ تو لیفٹنٹ ریاض ہیں ''۔

یہ سُن کر ریاض کو اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔

گن بوٹ نے محافظ کے عملے کے

گیارہ افراد کو اُٹھایا تھا لیفٹننٹ ریاض سمیت کئی لوگ شدید زخمی تھے کشتی میں پہنچنے کے بعد جسمانی چوٹوں اور زخموں کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو اکثر گھبرا گئے ۔ اور زور زور سے کراہنے لگے ۔ ریاض کا اپنا جسم درد سے بے چین تھا مگر اس اللہ کے بندے نے اُف تک نہ کی تھوڑ دیر بعد تین زخمی چل بسے اُنہیں بوجھل دل کے ساتھ لہروں کے ھوالے کر دیا گای ۔ لیفٹننٹ ریاض کی خاموشی سے دھوکہ کھا کر کسی نے کہا ۔

'' لو بھئی! یہ بھی ختم ہو گئے''۔

یہ سن کر ریاض چونک پڑا ۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں دوسروں کی طرح اسے بھی پانی میں نہ پھینگ دیا جائے ۔ چنانچہ اپنے زندہ ہونے کا احساس

دلانے کے لئے بولا ''بھئی پانی تو پلاؤ''

سمندر کے نمکین پانی نے سارے حلق میں چھالے ڈالے ہوئے تھے ۔ اس لئے وہ بمشکل ایک گھونٹ پانی حلق سے نیچے اُرتا ر سکا ۔ پانی پلانے کے بعد نثار نم کای ایک آدمی اس کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کے کانوں اور چہرے پر سے جما ہوا خون صاف کرنے لگا اس کے ساتھ ساتھ وہ بتاتا جارہا تھا کہ اب ہم پندرہ میل دور رہ گئے ہیں ۔۔۔۔اب آٹھ میل۔۔۔۔ اب بریک وائر کے سامنے ہیں ۔۔۔۔۔ اب بنول جیٹی کے قریب پہنچ گئے ہیں ۔گن بوٹ بندرگاہ ہیں داخل ہوئی تو پانچ دسمبر کی صبح طلوع ہو رہی تھی ۔ زخمیوں کو فوراً بندر گاہ کے طبی مرکز شفا پہنچا دیا گیا۔ اب تک ریاض نہایت حوصلے اور

صبر سے کال لے رہا تھا اور پوری طرح ہوش میں تھا لیکن شفائے پہنچتے ہی اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا ۔ ڈاکٹرں نے جب اس کی حالت دیکھی تو سخت پریشان ہوے۔ اور اسے فوراً ڈی ۔آئی۔ ایل قرار دے دیا گیا ۔ یہ گویا ڈاکٹرں کی طرف سے کھلی مایوسی اور بے بسی کا اظہار تھا ڈی ۔ آئی ۔ ایل یعنی ڈینجر ان لسٹ صرف انہیں قرار دیا جاتا ہے ۔جن کی حالت سخت تشویشناک ہو ۔ ایسے مریض کے بچنے کے امکان بہت م ہوتے ہیں ۔ ریاض کی یہی حالت تھی ۔ جسم کا کوئی حصہ سلامت نہ تھا چھاتی ' بازو اور رانیں بری طرح آگ میں جھلس گئی تھیں ٹانگ کا زخم بگڑ چکا تھا جب کہ

آنکھوں پر ورم تھا ۔

ڈاکٹروں نے اسے انجکشن لگائے تاکہ وہ دیر تک بیہوش پڑا رہے ۔ بے ہوشی کے عالم مُں اس کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کاٹ کر الگ کر دی گئی ۔ 6 دسمبر کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے دوپہر اُسے ہوش آیا تو آنکھوں کا ورم کرم ہو چکا تھا ۔ اُس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں ۔ سب سے پہلے اُسے چھت نظر آئی پھر سامنے دیوار پر نظر پڑی گزر ے ہوئے واقعات ایک بھیانک خواب کی طرح اُس کے ذہن میں محفوظ تھے۔ خاصی دیر تک اُسے یقین نہ آیا کہ وہ زندہ بچ نکلا ہے ۔

سات دسمبر کا سورج طلوع ہوا تو اُس کی حالت کافی سنبھل چکی تھی

ڈاکٹر اُس کے اس قدر جلد صحت یاتب ہونے پر حیران تھے یہ دوا سے زیادہ خدا کی رحمت اور مریض کی مضبوط قوت ارادی کا کرشمہ تھا ۔ اس کے کمرے میں چار بیڈ اور تھے ۔ ریاض کے بائیں طرف والا بیڈ خالی تھا ۔ باقی تینوں پر زخمی پڑے ہوئے تھے ۔ ریاض کے بائیں طرف والا بیڈ پیٹی آفیسر اللہ رکھا کا تھا ۔ حادثے میں اُس کی دونوں ٹانگیں کٹ چکی تھیں وہ بیچارہ مستقبل کے خیال سے ہر وقت پریشان رہتا لیفٹننٹ ریاض سے اپنے اس ساتھی کی پریشانی نہ دیکھی گئی اُسنے ایک دن نرسنگ اردلی سے کہہ کر اپنا بیڈ اللہ رکھا کے قریب لگوا لیا اور اُس کی دلجوئی کرنے لگا ۔ باتیں کرتے ہوئے وہ جذباتی ہو گئے ''

اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے قریب ہی ایک لیڈی ڈاکٹر کھڑی تھی وہ بھی آبدیدہ ہو گئی تاہم ان کی ہمت بند ھاتے ہوئے بولی۔

''آپ لوگ حوصلہ رکھیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی جانیں بچ گئیں ۔۔۔ ٹانگیں مصنوعی لگ جائیں گی۔

لیڈی ڈاکٹر نے اپنی بات میں گو آپ استعمال کیا تھا مگر لیفٹننٹ ریاض نے یہ سمجھا کہ یہ الفاظ للہ رکھا کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اور کود اُس کی ٹانگیں صحیح سلامت موجود ہیں ۔

لیفٹننٹ ریاض کی ٹانگ گھٹنے کے نیچے سے کاٹی گئی تی اور اُس پر پٹیاں باندھ کر نیچے نرم تکیہ رکھ دیا گای تھا ۔ تکیے کے لمس سے یہی محسوس ہوتا

جیسے پوری ٹانگ صحیح سلامت موجود ہے

۔

ٹانگ کے اوپر لوہے کا ایک مخصوص ڈھانچہ رکھ دیا گیا تھا تاکہ زخم پر کمبل کا بوجھ نہ پڑے کسی نے اسے ابھی تک ٹانگ کٹنے کی خبر نہیں دی تھی نہ اس نے خود دیکھنے کی کوشش کی تھی ۔ ایک دو بار ذہن میں خیال آیا بھی مگر اُسے فوراً جھٹک دیا ۔ چار پائی پر لیٹنے کے بعد دایاں پاؤں پائنتی کے ٹھنڈے آہنی دستے سے چھونے لگا اُس نے چند بار کوشش کی کہ بایاں پاؤن بھی پائنتی سے چھو جائے مگر وہ ناکام رہا ۔ اس پر اُس نے سوچا کہ شائد انجکشن لگا کر اس کی ٹانگ سن کر دی گئی ہے ۔ اس لئے اسے لمس کا احساس نہیں ہوتا ۔ مگر ان تسلیوں

سے آخر کب تک کام چلتا ۔ رفتہ رفتہ وہ محسوس کرنے لگا کہ ڈاکٹر اُس سے کچھ چھپا رہے ہیں ۔ ایک دن اُس نے اردلی سے کہا ۔ ذرا یہ کپڑا ہٹاؤ میں اپنی ٹانک دیکھنا چاہتا ہوں ۔ مگر اردلی نے انکار کر دیا اور بولی۔

''جناب ! ڈاکٹر صحب کا حُکم ہے آپ پہلے تندرست ہو جایئے پھر خود ہی دیکھ لیجئے گا ''۔ یہ سُن کر ریاض خاموش ہو گیا مگر اس نے ارادہ کی لیا کیا جس طرح بھی ممکن ہو ا میں ٹانگ ضرور دیکھوں گا ۔ یہ سوچتے ہوئے اُس نے ایک ترکیب نکال ہی لی ۔ نرسنگ اردلی کو دوسرے دن قریب بلایا اور کہا ۔

'' مجھے سخت گرمی لگ رہی ہے یہ

لوہے کا ڈھانچہ اور وزنی کمبل ذرا پرے ہٹا دو "۔ دادہ لوح اردلی اُس کی باتوں میں آگیا ۔ اب اُس نے سر ھانے کی طرف سے اپنا بیڈ اُونچا کرایا اور پاؤں کسی قدر پائنتی میں پھنسا کر اُٹھ گای ۔ سامنے نظر ڈالی تو ایک پَیر نظر آرہا تھا ۔ کلیجہ دھک سے رہ گیا اور صدمے کے مارے سر میں شدید درد ہونے لگا ۔ اور آنکھون تلے تاریکی چھا گئی ۔ مگر یہ کیفیت صرف چند سیکنڈ ہی ۔ہی ۔ اُس نے فوراً یہ سوچ کر خود پر قابو پالیا کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا ٹانگ کسی اور حادثے میں بھی ضائع ہو سکتی تھی ۔ اُس نے تو وطن کا دفاع کرتے ہوئے جنگ می اپنی تانگ قوم کے حوالے کی ہے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے

غم اور صدمے ی شدت سے کو کم کرنے کے لئے اُس نے قہقہے لگانے شروع کر دیئے ۔ وہاں موجود لوگ یہ سمجھے کہ بے چارہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے ۔ اس پر وہاں افرا تفری مچ گئی ۔ کوئی ڈاکٹر کو بلانے بھاگا جارہا تھا تو کوئی گولیاں لا رہا تھا ۔ اور کوئی پانی کا گلاس اُٹھائے چلا آرہاتھا ۔

ریاض کے قہقہے اب تک مصنوعی اور بے جان تھے ۔ مگر لوگوں کی بھاگ دوڑ دیکھ کر اُسے اپنا غم اور تکلیف بھول گیا اور اُس نے سچ مچ قہقہے لگانے شروع کر دیئے ۔ ہنستے ہنستے نڈھال ہو گیا ۔

خاصی دیر بعد قہقہے تو بلند آواز سے پکار ا

بس بھئی ! کافی ہو چکا اب گرما گرم چائے تو پلاؤ ''۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

آدم خور

منکی جو کہ جنگل کے بادشاہ ٹارزن کا دوست تھا اب سارا سارا دن جھونپڑے میں پڑا رہنے کی وجہ سے سخت اُکتا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ چند دن باہر کی دنیا کی سیر کرے۔

چنانچہ جب ٹارزن جنگل میں گھوم پھر کر واپس آیا تو منکی نے اُس سے کہا ۔

''سردار ! آج تو دل چاہتا ہے کہ جنگل سے باہر کی دنیا کی سیر کریں ۔''

''بہت خوب منکی! میرا بھی دل چاہتا ہے کہ تھوڑی بہت باہر کی دُنیا کی سیر کر لی جائے کیوں نہ آج ہی سیر کے

لئے چلیں ؟

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے سردار'' منکی خوش ہو کر بولا

''ٹھیک ہے ! جاؤ تم جھونپڑے سے میرا نیزہ اور خنجر اُٹھا لاؤ ٹارزن نے کہا ۔

منکی اُچھل کر جھونپڑے میں گیا اور ٹارزن کا نیزہ اور خنجر لے آیا ۔ اس کے بعد ٹارزن نے کالو شیر کو بلایا اور اُ سے کہا۔

کالو بھائی! میں جنگل سے باہر جا رہا ہوں ۔ جب تک میں واپس نہ آؤں تب تک تم جگنل پر حکومت کرنا ۔ اس اثنا ء میں اگر جنگل پر کوئی مصیبت آپڑے تو پیچھے مت ہٹنا ''۔ ٹارزن نے کالو کو سمجھایا ۔

''آپ فکر مت کریں سردار ! انشاء اللہ میں اپنا فرض پورا پورا ادا کروں گا''۔ کالو نے سینے پر پنجہ رکھ کر کہا ۔

ٹارزن نے کالو کو تھپکی دی پھر منکی کو ساتھ لے کر جنگل سے باہر نکل آیا ۔ سمندر، جنگل سے قریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا ۔ ٹارزن اور منکی نے یہ فاصلہ ہنستے کھیلتے طے کر لیا ۔ ساحل ِ سمندر پر ایک کشتی بندھی پڑی تھی یہ کشتی تین شکاریوں کی تھی وہ اس کشتی پر سوار ہو کر جنگل میں شکار کھیلنے آئے تھے ۔ مگر ٹارزن نے اُنہیں مار ڈالا اور اُن کی اس کشتی پر قبضہ کر لیا ۔

ٹارزن نے کشتی کھولی اور سمندر میں

ڈال دی ۔ منکی اُچک کر کشتی میں بیٹھ گیا ۔ تارزن بھی جست لگا کر کشتی میں کُود گیا ار چپو سنبھال لئے کشتی گہرے سمندر میں جانے لگی ذرا آگے جا کر تارزن نے تیزی سے چپو چلانے شروع کر دیئے ۔ کشتی تیز رفتاری سے ایک جانب چل پڑی ۔

''سردار ! آپ کا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟ ۔ منکی نے پوچھا ''جہاں بھی کوئی خوش گوار جگہ نظر آئے گی وہیں کشتی کو روک لیں گے ''۔ ٹارزن نے کہا

۔

'' اگر کوئی خُوشگوا ر جگہ نظر نہ آئی تو ''؟ منکی نے دوبارہ پوچھا ''اُلٹی سیدھی باتیں مت کیا کرو''۔ ٹارزن نے اُسے ڈانٹا '' اچھا ! میں تو سیدھی باتیں ہی

کرتا ہون میرا کیا قصو ر ۔ منکی نے مُنہ بنا کر کہا اور ٹارزن کے مُنہ سے بے اختیار قہقہ اُبل پڑا ۔

شام تک ٹارزن کشتی چلاتا رہا ۔ سُورج غروب ہونے میں ابھی تھوڑی سی دیر باقی تھی کہ ٹارزن کو ایک چھوٹا سا جزیرہ دکھائی یدا جزیرے پر خوبصورت درخت بہار کا حسین سماں پیش کر رہے تھے۔

د رختوں کی لمبی لمبی قطاریں دور تک چلی گئی تھیں ۔ ٹارزن نے اتنا خوبصورت جزیرہ دیکھا تو کشتی جزیرے کے ساحل سے لگا دی ۔ منکی نے چھلانگ لگائی اور کشتی سے ساحل پر آگیا جب کہ ٹارزن نے نیچے اُتر کر کشتی سے ریت پر کھینچ لی اور اُسے ایک درخت کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا ۔ دونوں

اسی جزیرے کی سیر کرنے لگے ۔ اُنہوں نے دیکھا جزیرے پر طرح طرح کے پھل دار درخت تھے۔ لیکن ابھی تک کوئی انسان نظر نہ آیا تھا ۔ ٹارزن نے دو ، تین درختوں سے پھل توڑے مگر وہ کڑوے نکلے۔

ٹارزن اور منکی سیر کرتے ہوئے دور تک نکل آئے ۔ اچانک گھاس پھونس کی بنی ہوئی بہت سی جھونپڑیاں دکھائی دیں ۔ جھونپڑیاں ساتھ ساتھ بنی ہوئیں تھیں اور اُن کے اندر سے دُھواں نکل رہا تھا ٹارزن منکی کے ساتھ جُھونپڑیوں کے قریب آیا اور بہت ہوشیاری کے ساتھ ادھر اُدھر کا جائزہ لینے لگا ۔ جُھونپڑیوں میں سے عجیب طرح کی بُو آرہی تھی جیسے ہڈیاں جل رہی ہوں ۔

ٹارزن حیران تھا کہ ان جھونپڑیوں میں کون رہتا ہے اگر انسان رہتے ہیں تو وہ اس جزیرے پر خوراک کہاں سے حاصل کرتے ہیں۔؟

ابھی ٹارزن انہی خیالوں میں گُم تھا کہ منکی چیخا۔

'' سردار وہوشیار۔ اکچھ آدمی ادھر آرہے ہیں ''

ٹارزن نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ پانچ آدمی ہاتھوں میں نیزے پکڑے سمندر کی طرف تھے۔ اسی لمحے اُنہوں نے بھی ٹارزن کو دیکھ لیا اور چیختے ہوئے ان کی طرف بھاگے۔

ٹارزن کا اب بھاگ کر چھپ جانا نا ممکن تھا۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ پر جم کر کھڑا ہو گیا۔ جب کہ منکی

درخت کے پتوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ آناً فاناً وحشیوں نے ٹارزن کو گھیرے میں لے لیا۔ اور اس کی طرف نیزے تان لئے۔ ایک وحشی گرج کر بولا۔

''خبر دار اے انسان بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ ہمارے نیزے تمہیں چھلنی چھلنی کر دیں گے''۔

ٹارزن نے گھوم کر اُس وحشی کو دیکھا اور غصیلے لہجے میں کہا۔

''وحشی چاہوں تو ابھی تمہاری گردنیں مڑوڑ کر پھینک دوں۔ مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ گم کون ہو۔ اور مجھے گھیرنے کا مقصد کیا ہے۔؟

'' زیادہ باتیں نہ کرو اور ہمارے آگے چل پڑو۔ بستی میں پہنچ کر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم کون ہیں''۔

وحشی نے نیزے کی اَنی ٹارزن کی چھاتی میں چبھوتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

ٹارزن نے کوئی مزاحمت نہ کی اور خاموشی سے اُن وحشیوں کے آگے آگے چل پڑا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اسی وقت اُن وحشیوں کو جہنم رسید کر سکتا تھا۔ مگر وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور اسے اپنی بستی میں کیوں لے جانا چاہتے ہیں۔؟

ادھر منکی بھی چھپتا چھپاتا اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیا وہ جان چُک اتھا کہ ٹارزن مصیبت میں پھنس چُکا ہے۔

جونہی وحشی ٹارزن کے نتھنے ہڈیوں کے سڑنے گلنے کی بُو سے پھولنے لگے۔ بستی میں ہر طرف ہڈیاں ہی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں اور اُن کے سڑنے کی

بُو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی ۔ وحشی ٹارزن کو لے کر ایک چبوترے پر بنے ہوئے بڑے سے جھونپڑے کے سامنے پہنچے ۔ ایک وحشی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی جھونپڑے میں سے ایک لمبا تڑنگا جنگلی نمودار ہو ا اُس نے اپنے جسم پر چیتے کی کھال اوڑھ رکھی تھی سر پر شیر کی کھوپڑی تاج تھا جس میں دو چمکتے ہوئے سنگ جُڑے ہوئے تھے ۔ اُس جنگلی کے باہر نکلتے ہی تمام وحشی جُھک گئے ۔ شاید وہ اُن کا سردار تھا ۔ ایک وحشی نے مودب لہجے میں اُس سے کہا۔

''سردار ! آج ہم ایک صحت مند انسان پکڑ لائے ہیں ''۔

'' بہت خُوب !'' سردار نے غور سے

ٹارزن کو دیکھتے ہوئے کہا جس کو ابھی تک اُن پانچوں وحشیوں نے گھیر رکھا تھا ۔ سردار نے کہا ۔

''ہمیں تمہاری بہادری سے بہت خوشی ہوئی ہے ۔ آج تم نے ایک ایسا انسان پکڑا ہے جو ہم سب کا خوب پیٹ بھرے گا ۔ ویسے بھی ہمیں انسانی گوشت کھائے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں۔ اب صبح تمام بستی کی دعوت کی جائے گی۔''

''اے نامراد آدم خور ! زبان سنبھال کر بات کر'' ٹارزن دھاڑا۔ تم مجھے کیا کھاؤ گے اُلٹا میں تمہارا گوشت کُتوں کو کھلاؤں گا ۔''

'' بد قسمت انسان ! معلوم ہوتا ہے کہ تُو موٹا تازہ ہونے کے ساتھ ساتھ پاگل بھی ہے ۔ بھلا تو ہمیں کیسے

مارے گا بس صبح تک تمہاری زندگی اور باقی ہے ۔ صبح میں اپنی بستی کو شاندار دعوت دوں گا اور سب کو تیرا گوشت پیش کروں گا

''آدم خور وحشی ! فکر نہ کر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب اس خوبصورت جزیرے کو تمہارے ناپاک وجود سے پاک کر دوں تاکہ آئندہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر تمہاری خوراک نہ بن سکے۔ ٹارزن نے غرا کر کہا ۔

''اسے لے جا کر باندھ دو ورنہ یہ پاگل ہمارا دماغ چاٹ لے گا'' سردار نے جھنجلا کر حکم دیا ۔یہ سُن کر وحشیوں نے مل کر ٹارزن کو رسیوں سے کس کر باندھ دیا اور ایک جھونپڑے میں لے جاکر بند کر دیا ۔

"منکی چُھپ کر یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا ۔ اس نے آدم خور سردار اور ٹارزن کی گُفتگو بھی سُن لی تھی ۔ چنانچہ وہ ٹارزن کی مدد کرنے کی ترکیب سوچنے لگا ۔ اتنے میں رات کا اندھیرا بی ہر طرف پھیل گیا ۔ اور جھونپڑیوں میں سے آدم خوروں کے خراٹوں کی آوازیں آنے لگیں ۔ جب آدھی رات ہو گئی تو منکی درخت سے نیچے اُترا اور اُس جھونپڑے کی طرف بڑا جس میں آدم خوروں نے ٹارزن کو قید کیا ہوا تھا ۔

جھونپڑی کے پچھواڑے پہنچ کر منکی نے ادھر اُدھر کا اچھی طرح جائزہ لیا ۔ جھونپڑی کے پچھلے حصے کی طرف کوئی آدم خور نہ تھا ۔ البتہ جھونپڑی کے دروازے پر دو آدم خور پہرہ دے رہے

تھے ۔

جب منکی نے اچھی طرح جائزہ لے لیا تو مطمئن ہو کر جھونپڑے کے پچھلے حصے کی گھاس ایک جگہ سے کھینچنی شروع کر دی ۔

ٹارزن رسیوں سے جکڑا ہوا جھونپڑی میں پڑا تھا ۔ اُس نے اپنے طاقتور بازوؤں کا پورا زور لگا کر رسیوں کو توڑنا چاہا مگر نا کام رہا ۔ رسیاں بہت مضبوط تھیں ۔ اور اُن کی چکڑ اتنی پکی تھی کہ ٹارزن کچھ نہ کر سکا ۔

اب تو ٹارزن پچھتانے لگا کہ اگر اُس نے اُسی وقت آن پانچ آدم خوروں سے نپٹ لیا ہوتا جب اُنہوں نے اسے گھیرا تھا تو سے یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا ۔ لیکن منکی آزاد تھا اور ٹارزن کو اُمید

تھی کہ چالاک منکی اس کی مدد ضرور کرے گا ۔

آدھی رات ہوئی تو ٹارزن کو جھونپڑے کے پچھلے حصے میں کچھ کُھد بُد ہوتی محسوس ہوئی۔ اُس نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی اپنے پنجے سے گھاس کی دیوار میں سوراخ کر رہا ہے ۔ ٹارزن کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ منکی ہے ۔ ٹارزن کے ہونٹوں پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ پھیل گئی ۔ تھوڑی ہی دیر بعد گھاس کی دیوار میں اتنا بڑا سوراخ ہو گیا کہ اُس میں سے ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا ۔ پھر سوراخ میں سے منکی اندر داخل ہوا ٹارزن پر نظر پڑتے ہی منکی اس سے لپٹ گیا۔ اور اُس ہاتھ چاٹنے لگا ۔ ٹارزن نے اشارے سے منکی کو سمجھایا

کہ میرے ہاتھوں کی رسیاں کھول دو۔ منکی ، ٹارزن کا اشارہ سمجھ گیا اور اپنے تیز دانتوں سے ٹارزن کے ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسی کی گانٹھ کھولنے لگا ۔ ابھی منکی نے رسی کی ایک گرہ بھی نہ کھولی تھی کہ ایک آہٹ سُنائی دی ۔ کوئی جُھونپڑی کی طرف آرہا تھا ۔ منکی فوراً جھونپڑی کے ایک اندھیرے گوشے میں جا چُھپا ۔ اندر آنے والا پہرے دار آدم خور تھا ۔ در اصل وہ جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی ٹارزن کے جسم میں نیزہ چھبو دیا ۔ٹارزن کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی ۔ جب کہ آدم خور کے ہونٹوں پر پُر اسرار مسکراہٹ رینگ گئی ۔

ابھی آدم خور وحشی چراغ جلانے کے لئے پتھروں کو رگڑنے ہی لگا تھا کہ

منکی نے اندھیرے میں ہی اُس پر چھلانگ لگائی اور اُس کے سینے پر آپڑا۔ منکی نے اپنے لمبے لمبے ناخن وحشی کے سینے میں گاڑ دیئے اور دانتوں سے اُس بے تاب ہو کر ایک وحشت ناک چیخ ماری۔

اپنے ساتھی کی چیخ سُن کر دوسرا آدم خور بھی جھونپڑی میں داخل ہو گیا مگر اس سے پہلے ہی منکی زخمی آدم خور کو چھوڑ کر تیزی سے سوراخ میں سے باہر نکل گیا ۔

اندھیرے میں دوسرے آدم خور کو کچھ نظر نہ آیا اُ س نے جلدی سے چراغ جلایا۔ پہلا آدم خور زخموں سے چور زمین پر بے ہوش پڑا تھا ۔ جب ک ٹارزن جُوں کا توں بندھا پڑا تھا ۔

چراغ کی روشنی میں آدم خور کی نظر بے ہوشی ساتھی پر پڑی تو اُس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی ۔ اُس نے ٹارزن کی طرف دیکھا تو وہ بدستور رسیوں میں جکڑا ہوا پڑا تھا ۔ یہ دیکھ کر آدم خور چکر اگیا ۔ اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ میرے ساتھی کو کس نے مار اہے ۔

آخر اُس نے ٹارزن سے پوچھا کہ میرے ساتھی کو کیا ہو اہے؟ ٹارزن نے جان بوجھ کر اُونگھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا کہ مجھے نہیں معلوم ۔'' اب تو آدم خور اور زیادہ پریشان ہو گیا کہ یہ کیا چکر ہے ؟ آخر اُس نے سوچا کہ اس واقعہ کی اطلاع سردار کو دینی چاہئے ۔ چنانچہ وہ اپنے سردار کے پاس گیا اور اُسے ساری بات بتا دی ۔

جسے سُن کر سردار فوراً دوسرے آدم خوروں کو لے کر ٹارزن والے جھونپڑے میں آیا ٹارزن کو ٹھوکر مار کر پوچھا ۔

''قیدی سچ سچ بتا کہ ہمارے ساتھی کو کیا ہوا ہے۔؟

ٹارزن مسکرا دیا ۔ کیونکہ وہ اتنی دیر میں ایک ترکیب سوچ چُکا تھا ۔ اُس نے سردار کی طرف دیکھ کر کہا۔

''سردار! تیرے یہ دونون پہرے دار آپس میں لڑ پڑے تھے کیونکہ یہ مجھے اکیلا ہی کھانا چاہتا تھا دوسرے نے اسے روکا تو اس نے غُصے میں آکر اُسے نیزہ مار دیا پھر گھبرا کر تیرے پاس بھاگا ۔ تاکہ اپنی جان بچا سکے۔''

ٹارزن کی چال کامیاب رہی ۔سر دار نے غضب ناک ہو کر دوسرے پہرے

دار کو گھورا اور بولا ۔

'' غدار ! تیری یہ جرات کہ اپنے ہی آدمی پر ہاتھ اُٹھاؤ'' یہ کہہ کر سردار نے اپنا نیزہ دوسرے پہرے دار کے سینے میں گھونپ دیا ۔ پہرے دار دلدوز چیخ مار کر گرااور ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد سردار نے اپنے سارے آدم خور ساتھیوں کو جھونپڑے کے گرد پہرے دینے کا حُکم دیا تاکہ قیدی کسی طریقے سے بھی باہر نہ نکل سکے ۔ منکی کے کئے گئے سوراخ پر کسی کی نظر نہ پڑی تھی کیونکہ جھونپڑے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ سردار کے حُکم پر آدم خور ، جھونپڑے کے چاروں طرف کھڑے ہو کر چوکسی کرنے لگے۔

اُدھر منکی ، پہرے دار کو زخمی کر

کے جھونپڑے سے باہر نکلا تو ایک درخت پر چڑھ گیا اور یہ انتظار کرنے لگ اکہ دوسرا پہرے دار جھونپڑے سے باہر نکلے تو وہ لگا دوبارہ جھونپڑے میں داخل ہو کر ٹارزن کی رسیاں کھولے۔

مگر جب دوسرا پہرے دار سردار کو بُلا لایا اور سردار نے اپنے آدم خوروں کو جھونپڑے کے چاروں طرف کھڑا کر دای تو منکی مایوس ہو گیا کیونکہ اب جھونپڑے میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا

منکی شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ ٹارزن کی مدد کس طرح کرے ۔ ٹارزن کی زندگی سخت خطرے میں تھی۔ سوچتے سوچتے آخر منکی کے ہوشیار ذہن میں ایک شاندار ترکیب آئی ۔ وہ چھلانگ

لگا کر درخت سے نیچے اُتر آیا اور سمندر کی طرف بھاگ پڑا۔

ساحل پر پہنچ کر منکی نے کشتی کھولی اور اُس میں بیٹھ کر تیزی سے چپو چلانے لگا ۔ اُس کا رُخ اپنے جنگل کی طرف تھا ۔ منکی پوری طاقت لگا کر چپو چلا رہا تھا ۔ جس کی وجہ سے کشتی کی رفتار کافی تیز تھی آخر منکی رات کے پچھلے حصے میں اپنے جنگل میں پہنچ گیا ۔ منکی نے جنگل میں پہنچتے ہی سب سے پہلے کالو شیر کو جگایا ۔ کالو شیر نیند کے عالم میں پہلے تو کروٹیں بدلتا رہا ۔ مگر جب منکی نے یہ بتایا کہ اُٹھو ! ٹارزن کی زندگی سخت خطرے میں ہے تو کالو شیر اُچھل کر کھڑا ہو گیا

" منکی میاں ۔ جلد بتاؤ ۔ سردار ٹارزن کہاں سے اور انہیں کیا مصیبت پیش آئی ہے۔؟ " کالو شیر نے پریشان ہو کر پوچھا منکی نے جلدی جلدی اُسے ساری بات بتائی اور پھر دوسرے جانوروں کو بھی بُلانے لگا ۔ جن میں ہاتھی ، شیر ، گینڈے اور کئی دوسرے طاقت ور درندے شامل تھے۔ منکی ان سب کو ساحل پر لے آیا پھر اُنہوں نے ساحل سے ایک بہت بڑ ا لکڑی کا تختہ اُٹھایا اور اسے سمندر میں ڈال کر سب اُس پر سوار ہوگئے اور اُسے چلانے لگے ۔ یہ تختہ ٹارزن نے ایسے ہی موقعوں کے لئے جانوروں کے لئے بنایا تھا۔

تختہ بڑی تیزی سے آدم خوروں کے جزیرے کی طرف جارہا تھا ۔ منکی نے سب کو بتا دیا تھا کہ ٹارزن آدم

خوروں کی قید میں ہے ۔ جس کی وجہ سے وہ سب بڑے غصے میں تھے اور جلد از جلد جزیرے پر پہنچ کر آدم خوروں کی باٹیاں اُڑا دینا چاہتے تھے۔ منکی نے اُنہیں صبر سے کام لینے کی تلقین دی۔ تختہ نہایت رفتاری سے چلا جا رہا تھا۔

جب وہ جزیرے پر پہنچے تو صبح کا ذب کی روشنی پھیل رہی تھی ۔ منکی نے سب کو خاموش رہ کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا سب منکی کے حُکم پر اُس کے پیچھے چل پڑے۔

صُبح کی روشنی ابھی زیادہ نہ پھیلی تھی کہ آدم خوروں کے سر دار نے میدان میں کھمبا گاڑانے کا حُکم دے دیا ۔ سردار کے ماتحتوں نے اس کے حکم پر

کھمبا زمیں میں گاڑ دیا ۔ اس کے بعد کھمبے کے گرد آگ کے الاؤ جلائے گئے شاید آدم خور ' ٹارزن کو آگ پر بھوننا چاہتے تھے ۔ اب سردار کے حکم پر بستی کے سارے آدم خور جمع ہونے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں میدان میں جشن کا سا سماں تھا ۔ کالے سیاہ وحشی میدان میں اکٹھے ہو چکے تھے ۔ ان کے چہروں اور سینوں پر سُرخ رنگ کی بے ڈھبی دھاریاں بنی ہوئیں تھیں۔ ہونٹ بھی خُون کی طرح سُرخ تھے ۔ پیٹوں پر اُنہوں نے بڑے بڑے پتے باندھ رکھے تھے۔ اور بالوں پر مٹی کے بڑے بڑے تھیپڑے جمے ہوئے تھے۔ جب سب جمع ہو گئے تو سردار نے حُکم دیا کہ قیدی کا لاکر کھمبے کے ساتھ باندھ دیا

جائے یہ حکم سُن کر بہت سے وحشی گئے اور ٹارزن کو گھسیٹتے ہوئے لے آئے ۔ ٹارزن کے چہرے پر اب مایوسی طاری ہو چکی تھی ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ منکی اب نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔ اتنے میں آدم خوروں نے ٹارزن کو گھسیٹ کر کھمبے کے ساتھ باندھ دیا ۔ اس کے بعد سردار ٗ ٹارزن کے سامنے آیا اور بولا ۔

''قیدی ! اب تم موت کے مُنہ میں جانے والے ہو ۔ تمہاری کوئی آخری خواہش ہو تو بتا دو''

جواب میں ٹارزن نے اُس کے منہ پر تھوک دیا ۔ سردار کے غصے کی انتہا نہ رہی ۔ اُ سنے ٹارزن پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی ۔ پھر اُس نے

نیزہ نکال لیا اور ٹارزن کے سینے میں اُتارنا ہی چاہتا تھا کہ اُس کے ایک ما تحت نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

''سردار ! یہ کیا غضب کرتے ہو۔ اگر قیدی مر گیا تو موت کا ناچ کیسے ہو گا۔؟''

سردار اُس کی بات سمجھ گیا اور ٹارزن کو چھوڑ کر حکم دیا کہ موت کا ناچ شروع کر دیا جائے۔

آدم خور وحشی جن کے جسموں پر آگ کی چمک پڑ رہی تھی اُچھلتے ہوئے آگ کے گرد ناچنے لگے ساتھ ہی ساتھ وہ ٹارزن کے جسم میں نیزوں کی انیاں بھی چُھبوتے جاتے تھے۔

اچانک ایک تیز چیخ کی آواز آئی جسے سُن کر ناچنے والے رُک گئے ۔

ہر طرف سناٹا چھا گیا ۔ اچانک ٹارزن نے بھی اُس چیخ کے جواب میں ایک دھاڑ ماری کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ منکی کمک لے کر اُس کی مدد کو آ پہنچ تھا ۔ اور چیخ کی آواز بھی منکی کی تھی ۔ اسی لمحے جانور بھاگتے چلے آئے۔ سب سے آگے منکی تھا ۔ خُونخوار جانور آتے ہی آدم خوروں پر پل پڑے ۔ جب کہ منکی نے فوراً چاقو سے ٹارزن کی رسیاں کاٹ ڈالیں ۔ رہائی پاتے ہی ٹارزن نے ایک وحشی کے نیزے پر قبضہ کیا اور آدم خوروں پر ٹوٹ پڑا ۔ آدم خور اس ناگہانی آفت سے بوکھلا گئے اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر جاتے کہاں ؟ جانوروں نے تو ہر طر ف سے ان پر یلغار کر رکھی تھی ۔ آدم خوروں میں

بھگدڑ مچ گئی اور وہ ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اس دھکم پیل میں کئی آدم خور آگ کے الاؤ میں گر کر جل گئے۔ کئی ٹارزن کے نیزے سے جہنم رسید ہو گئے ۔ ار جو باقی بچے اُنہیں جنگلی درندوں نے پھاڑ کھایا ۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام آدم خور اگلی دنیا کے سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔

ٹارزن نے سکون کا سانس لیا اور منکی کو خو ب خوب پیٹھ ٹھونکی ۔ کیونکہ اس کی بروقت حکمت عملی سے وہ موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچا تھا ۔ اس کے بعد ٹارزن نے ایک جلتی لکڑی اُٹھا کر آدم خوروں کی جھونپڑیوں پر پھینک دی ۔ جھونپڑیوں دھڑ ا دھڑ جلتے لگیں ۔ جب کہ ٹارزن اپنے جانور دوستوں اور منکی کو ساتھ

لے کر واپسی کے لئے روانہ ہو گیا ۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

تاوان

سیٹھ فیضان آج بہت پریشان تھے ۔ صُبح جب وہ بیدار ہوئے تو ملازم ہاتھ میں ایک خط لئے بیڈ روم میں آپہنچا ۔ وہ صبح سے لے کر اب تک کئی مرتبہ خط پڑھ چکے تھے اور ہر مرتبہ ان کی اُلجھن میں اضافہ ہور اہ تھا ۔ خط کی تحریر کچھ یوں تھی۔

" سیٹھ فیضان !

میرے نزدیک تمہاری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں ۔ اگر تمہیں مزید زندگی چاہئے تو پھر اسے خرید لو ۔ صر ف کاذغ کے چند رنگین ٹکڑوں کے عوض ۔

فقط ! تمہار ا

خیر خواہ

یہ پڑھ کر سیٹھ فیضان بڑے پریشان تھے خط کی تحریر اُنہیں جانی پہچانی لگ رہی تھی لیکن یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ یہ تحریر اُنہیں جانی پہچانی کیوں لگ رہی ہے۔ آخر سوچتے سوچتے اُنہوں نے انسپکٹر وزیر علی کو فون کیا ۔ انسپکٹر علی فوراً ان کے پاس آیا ۔ سیٹھ فیضان نے اُسے ساری بات بتائی جسے سُن کر وہ بولا

" اچھا ۔۔۔ تو کوئی آپ کو خوف زدہ کر کے بھاری رقم بٹورنا چاہتا ہے ۔ آپ بھی اپنے ذہن پر زور دے کر یاد کیجئے کہ یہ تحریر آپ کو جانی پہچانی کیوں لگ رہی ہے ۔ ؟ یہ سُن کر سیٹھ فیضان سوچ میں ڈوب گئے۔ ابھی

اُنہیں سوچ میں پڑے تھوڑ ی دیر ہی گزری ہو گی کہ فون کی گھنٹی چلا اُٹھی اُنہوں نے چونک کر فون کی طرف دیکھا ۔ اور پھر ریسیور اٹھا کر بولے۔

''ہیلو ! میں سیٹھ فیضان بول رہا ہوں۔''

سیٹھ صاحب !'' دوسری طرف سے آواز آئی ۔'' میرا خط تمہیں مل چکا ہو گا ۔ اگر تم نے مجھے پچاس لاکھ روپے نہ دیئے تو تم سے تمہاری زندگی چھین لی جائے گی۔ یہ سُن کر سیٹھ فیضا چیخ کر بولے۔

زندگی تو خد ا کی عطا کردہ ہے ۔ جب تک وہ نہ چاہے مجھ سے یہ زندگی کوئی نہیں چھین سکتا میں ایک سچا

مسلمان ہوں اور ان باتوں پر مکمل یقین رکھتا ہوں کہ زندگی اور موت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔ میں تمہیں پچاس لاکھ ادا نہیں کر سکتا کیوں کہ میری ساری دولت میں سوائے غریبوں ار بے سہاروں کے اور کسی کا حصہ نہیں ۔ میں اُن کی امانت میں خیانت نہیں کر سکتا "۔ یہ کہہ کر سیٹھ فیضان نے یہ ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا ۔ انسپکٹر وزیر علی حیرت کا بُت بنا اُن کو دیکھ رہا تھا جنہوں نے کس شان سے مجرم کو ٹکا سا جواب دے دیا تھا ۔

سیٹھ صاحب! آپ فکر نہ کریں ۔ مجرم آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا "۔ انسپکٹر وزیر نے پُر یقین لہجے میں کہا ۔ ٹھیک اسی لمحے کھڑکی کا شیشہ

توڑتا ہوا ایک خنجر میز میں آدھنسا خنجر کے ساتھ ایک کاغذ کا ٹکڑا علیحدہ ہوا تھا ۔ انسپکٹر وزیر نے خنجر سے وہ ٹکڑا علیحدہ کیا ۔ لکھا تھا

'' انسپکٹر ! تم مجھے قیامت تک تلاش نہیں کر سکتے ۔ اگر مجھے پچاس لاکھ روپے ادا نہ کئے گئے تو سیٹھ فیضان کو قتل کر دیا جائے گا '' ۔

خط پڑھنے کے بعد انسپکٹر وزیر نے مسکراتے ہوئے وہ خط سیٹھ فیضان کو دے کر کہا ۔

'' سیٹھ صاحب! اب اس تحریر کو پہنچاننے کی کوشش کیجئے کیونکہ اس مرتبہ مجرم نے خط کچھ جلدی میں لکھا ہے اس لئے وہ اپنی تحریر کو صحیح طرح بگاڑ نہیں سکا۔ اب آپ یقیناً اس تحریر کو

پہچان جائیں گے اور خود خط مجرم کے خلاف گواہی دے گا کہ کون مجرم ہے۔؟

سیٹھ فیضا ن نے اطمینان سے خط پکڑا اور اس پر اپنی نظریں جما دیں ۔ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد اُنہوں نے دوسری مرتبہ پڑھا ۔ پھر تیسری مرتبہ پڑھنے لگے ۔ اچانک ان کے ذہن میں چھنا کا سا ہوا اور چہرے پر حیرت کے باد ل تیر اُٹھے۔

"اُف خدا یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔ میں کیا دیکھ رہا ہوں ۔ یہ تو میرے مینجر تیمور پاشا کی تحریر ہے ۔"

"کیا!!!" یہ الفاظ انسپکٹر وزیر کے لئے کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں

CyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

تھے۔ وہ ان کے مینجر سے بخوبی آگاہ تھا تیمور پاشا بھی ایک نیکدل تھا ۔ پھر وہ یہ کیا سُن رہے تھے اچانک انسپکٹر وزیر اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ اندر داخل ہوا اور بولا ۔

''سیٹھ صاحب یہ خنجر کوٹھی کے اندر سے ہی پھینکا گیا ہے۔''

''کیا!! ! '' سیٹھ فیضان حیران ہو کر بولے ۔ مگر وہ کون ہے جس نے یہ خنجر پھینکا ہے۔''

نہیں !!! '' سیٹھ فیضان نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا ۔ یہ میں کیا سُن رہا ہوں فضل دین تو میرا پُرانا نمک خوار ہے وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا''

''آپ بھی درست کہہ رہے ہیں سیٹھ صاحب خنجر واقعی فضل دین نے

نہیں پھینکا ۔ اُسے تو بہت پہلے اغوا کے کے قتل کر دیا گیا ہے ۔ یہ تو اس کے میک اپ میں مجرم نے پھینکا ہے

'' اوں ۔۔ تو فضل دین کو قتل کر دیا گیا ۔'' سیٹھ فیضان کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے ۔ انسپکٹر وزیر اُنہیں اسی حالت میں چھوڑ کر ڈرائنگ روم سے باہر آگیا ۔ جلد ہی اُسے فضل دین آتا دکھائی دیا ۔ انسپکٹر وزیر نے اپنا ریوالور نکالا اور فضل دین سے کہا

'' مسٹر فضل دان عرف مجرم اب تم خود کو حراست میں سمجھو''

'' مگر میرا جرم کیا ہے؟ فضل دین نے پوچھا '' کیا یہ جرم نہیں کہ

تم نے سیٹھ فیضان کو دھمکی آمیز خطوط لکھے اور پھر ڈرائینگ روم میں ایک خنجر پھینکا۔'' انسپکٹر وزیر کی یہ بات سُن کر فضل دین بولا '' یہ ---- سب غلط ہے مجھ پر جھوٹے الزام ہیں۔''

'' بہت خوب اُ کیا تمہیں اس بات سے بھی انکار ہے کہ تم نقلی فضل دین نہیں ہو۔ انسپکٹر وزیر کا لہجہ طنزیہ تھا یہ سنتے ہی فضل دین کا چہرہ خوف سے دھواں ہو گیا۔ وہ بولا

'' میں نقلی فضل دین ضرور ہوں مگر میں نے سیٹھ صاحب کو دھمکی آمیز خط نہیں لکھے وہ تو ب ---- ابھی و ہ اتنا ہی کہہ پایا تھ اکہ اچانک کس سمت سے ایک گولی فضل دین کے سینے میں آ لگی ۔ اُس کے حلق سے ایک

چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا ۔ چیخ کی آواز سنتے ہی سیٹھ فیضان ڈرائنگ روم سے باہر نکلے اور لاش کو دیکھ کر ٹھٹک گئے ۔

''اسے کیا ہوا ''۔؟

'' اسے بھی مجرم نے اپنی گولی کا نشانہ بنا ڈالا ۔

'' اوہو تو یہ اصلی فضل دین تھا ۔؟

'' نہیں سیٹھ صاحب ! یہ نقلی فضل دین تھا مگر اصل مجرم نے اسے بھی ختم کر ڈالا ''

'' اصل مجرم ۔؟ سیٹھ فیضان نے حیرت سے کہا ۔ اور انسپکٹر وزیر بولا

'' ہاں سیٹھ صاحب ! اب ہمیں اصل مجرم کو حراست میں لے لینا چاہیے

؟ یہ کہہ کر انسپکٹر وزیر نے سیٹھ فیضان کو ساتھ لیا اور اُن کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا ۔ راستے بھر جیپ میں خاموشی طاری رہی ۔دفتر کے قریب پہنچ کر انسپکٹر وزیر علی نے جیپ پارک کی اور سیٹھ فیضان کر لے کر دفتر میں داخل ہو گئے ۔ تھوڑی دیر بعد وہ مینجر کے کمرے میں موجود تھے ار مینجر حیرت سے اُن کی طرف دیکھ رہا تھا انسپکٹر وزیر علی نے مینجر کی میز پر پڑے کاغذات اُٹھائے اور مینجر سے پوچھا ۔

'' کیا یہ آپ کی تحریر ہے ۔؟''

'' جج ۔۔ جی ہاں ۔'' مینجر نے حیرانی سے جواب دیا اور انسپکٹر وزیر علی نے بہت خوب کہہ کر جیب دے

دونوں خط نکال کر اُنہیں مینجر کی تحریر سے ملانا شروع کر دیا۔ دونوں تحریریں بالکل ایک سی تھیں۔ انسپکٹر وزیر نے کاغذات میز پر رکھے اور مینجر سے مخاطب ہوئے ۔

" مسٹر تیمور پاشا ! میں آپ کو سیٹھ فیضان کو دھمکی آمیز خط لکھ کر پچاس لاکھ روپے کا مطالبہ کرنے اور فضل دین کو قتل کرنے کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں ۔"

" انسپکٹر صاحب ! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ۔؟

تیمور پاشا نے چہرے پر حیرت طاری کرتے ہوئے کہا ۔

" تو گویا آپ کو اپنے جرم سے انکا ہے ۔" انسپکٹر وزیر کا لہجہ معنی خیز

تھا ۔

'' جُرم ' میں نے کوئی جُرم نہیں کیا انسپکٹر ۔'' تیمور پاشا کا لہجہ یکسر بدل گیا اور اُس کے چہرے پر ناگواری کے آثار چھا گئے ۔

'' مگر تم نے یہ جُرم کیا ہے مسٹر تیمور پاشا اور تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے اور یہ دیکھو تمہارے جرم کا ثبوت ۔'' انسپکٹر وزیر نے دونوں خط تیمور پاشا کی طرف بڑھا دیئے ۔

''ان تحریروں کو غور سے دیکھو ۔ کیا تمہارے ہاتھ کی تحریر نہیں ہیں ۔ کیا اب بھی تمہیں اپنے جُرم سے انکا رہے ۔'' یہ دیکھ کر تیمور پاشا گھبرا گیا اور اُس نے ریوالو ر نکال کر اُن پر تان لیا

"تو گویا تم اپنے جُرم کا اقرار کر رہے ہو۔ انسپکٹر وزیر علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں اور اب تم دونوں بھی زندہ نہیں بچ سکو گے۔ مگر میں تمہیں مارنے سے پہلے سیٹھ فیضان سے بھاری رقم کے چیک لکھوانا نہیں بھولوں گا۔ یہ کہہ کر تیمور پاشا نے دوسرے اہاتھ سے میز کی دراز کھولی اور چیک نکال کر سیٹھ فیضان کی طرف اُچھا ل د ی۔

"چلو اس سارے سادہ چیکوں پر دستخط کر دو۔" سیٹھ فیضان نے لرزتے ہاتھوں سے چیک بک اُٹھائی۔

"سیٹھ صاحب! دستخط کر دیجئے۔ انسپکٹر وزیر علی نے کہا اور سیٹھ فیضان نے

پن نکا ل کر سادہ چیکوں پر دستخط کرنے شروع کر دیئے ۔ تیمور پاشا اُن ک ودستخط کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا ۔ انسپکٹر نے اس موقعے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ پیپر ویٹ کی طرف بڑھانا شروع کر دیا۔ پیپر ویٹ گرفت میں آتے ہی اُنہوں نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچا اور پیپر ویٹ تاک کر تیمور پاشا کے ریوالور والے ہاتھ پر دے مارا ۔ تیمور پاشا کے حلق سے چیخ نکلی اور ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر جا گرا ۔

اب انسپکٹر وزیر نے اپنا ریوالور نکالا ور تیمور پاشا پر تان لیا ۔

''مسٹر تیمور ! ہر مجرم یہی سمجھتا ہے کہ وہ قانون کی آنکھون میں دھول

جھونکنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر یہی اس کی سب سے بڑی بھول ہوتی ہے ۔ اب تم خود کو ہی دیکھ لو ۔ تم یہی سمجھتے تھے کہ قانون کو دھوکا دے کر اپنا اُلو سیدھا کر لو گے اور دنیاوی عدالت سے بچ جاؤ گے۔ مگر تم کای جانو کی ایک دوسرے عدالت بھی ہوتی ہے جہاں سے کوئی مجرم نہیں بچ سکتا ۔ اسے آخر اس عدالت میں حاضر ہونا پڑتا ہے اور اپنے جُرم کا سزا ہر حال میں بھگتنا ہی پڑتی ہے ۔ہر مجرم اس بات کو سمجھ جائے تو پھر دنیا سے جرائم کا خاتمہ ہی ہو جائے کاش تم لوگ جرم کرنے سے پہلے اپنے انجام کے متعلق بھی سوچ لیا کرو۔ اگر تم ایسا کرو تو پھر یقیناً جھر جھر ی سی آجائے تمہیں اور تم ہمیشہ کے لئے

جرائم سے توبہ کر لو اور پھر ہماری یہ سرزمین بہشت کا جیتا جاگتا نمونہ بن جائے کاش کہ وہ دن بھی آجائے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر وزیر نے تیمور پاشا کے ہاتھوں میں ہتھکڑی کا جوڑا پہنا دیا اور پولیس اسٹیشن کر طرف روانہ ہو گئے

۔

مجرم کو حوالات مں بند کرنے کے بعد وہ اپنے آفس میں داخل ہوئے اور دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے اُن کا ذہن فضل دین کی طرف لگا ہوا تھا جو مالک پر قربان ہو کر نمک خواری کا حق ادا کرگیا تھا۔

واقعی ایسے لوگ بہت عظیم ہوتے ہیں جو اپنے فرض کو پہچان لیں :۔

آخری ڈاکہ

خالد ایک سیدھا سادا اور بے ضرر سا انسان تھا اُس کا ایک چھوٹے بھائی کے سوا اور کئی نہ تھا ۔ خاور جو کہ بُری سوسائٹی میں بیٹھ کر بگڑ گیا ۔ وہ چرس پیتا اور لڑائی مار کٹائی میں مگن رہتا ۔ پھر اُس نے حد کر دی اور سیٹھ افضل کے گھر میں چوری کی مگر سیٹھ افضل نے اُسے دیکھ لیا ۔ وہ جان بچا کر بھاگا لیکن سیٹھ افضل کے آدمی اُس کے پیچھے لگ گئے یہ دیکھ کر وہ چھوٹی چھوٹی گلیوں سے گزرتا ہوا اپنے گھر آ گیا ۔ خالد نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا پھر اس کے لب ہلے

"خاور ! کیا بات ہے تم بہت گھبرائے ہوئے ہو۔؟

''بب ۔ بھائی جان ۔ ! میں نے سیٹھ افضل کے گھر چوری کی ہے ۔''

''کیا !!!'' خالد اپنی جگہ سے اُچھل پڑا ۔ یہ تم نے کیا کیا خاور ۔؟'' خالد کا چہرہ دُھواں ہو گا ۔ اسی وقت دروازہ باہر سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

'' خاور ! تم جلدی سے کہیں چُھپ جاوء ۔ میں اکیلا ان لوگوں سے نمٹ لیتا ہوں ۔''

'' نہیں بھائی جان ۔ ایسا نہیں ہو سکتا ۔گناہ میں کیا ہے الئے اس کی سزا بھی مجھے ملنی چاہیے خاور نے گڑ گڑاتے ہوئے کہا ۔

''خاور ! جو میں کہتا ہون وہی کر و ۔'' یہ کہہ کر خالد نے خاور و چار پائی کے نیچے چھپایا اور اُس کی

جیب سے چوری کے پیسے نکال کر اپنی جیب میں ٹھونس لئے ۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے دروازہ کھولا ۔ اگلے ہی لمحے اس پر تین آدمی پل پڑے اور اسے دبوچتے ہوئے تھانے لے گئے۔ جُرم ثابت ہونے پر خالد کو ساتھ سال قید کی سزا سُنائی گئی ۔

جب وہ رہا ہو کر جیل سے باہر آیا تو اُس پر یہ خبر بجلی بن کر گری کہ خاور نے خود کشی کر لی ہے ۔ اب اس کا دنیا میں کوئی نہیں رہا تھا نفرت و انتقام میں جلتے ہوئے وہ بھی بُرے راستوں پر چلنے لگا ۔ پہلے اُس نے چھوٹی چھوٹی چوریاں کیں۔ پھر بنک میں ڈاکہ ڈالنے کا سوچا اب تو وہ ہر ہفتے کسی نہ کسی بنک میں ڈاکہ

ڈالتا ۔ آج بھی وہ ڈاکے کی غرض سے سٹی بنک کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گیا ۔ اُس کی جیب میں سائلنسر لگا ریوالور موجود تھا ۔ وہ بنک کے قریب صُبح نو بجے ایک کرائے کی کار کھڑی کر چکا تھا۔ وہ سب سے پہلے اپنی کار کے قریب پہنچا ۔ ڈکی کھول کر اس نے کپڑے کا ایک تھیلا نکالا ۔ پھر ڈکی کو لاک کر کے بنک میں داخل ہو گیا ۔ وہ عموماً ڈاکے کے لئے پونے ایک بجے کا وقت مقرر کرتا کیونکہ یہ بنک بند ہونے کا ٹائم ہو تا ہے ۔ اس لئے بنک میں چند ڈیپازٹر ہی موجود تھے۔ کاؤنٹر کے پاس پہنچ کر اُس نے ریوالور نکالا۔ پھر جیب سے ایک کاغذ نکال کر کیشئیر کی آنکھو ں کے سامنے کر دیا ۔ کاغذ کی تحریر پڑھتے

ہی کیشئر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تحریر کے الفاظ بم کے دھماکے سے کم نہ تھے۔ اُس نے کہا خیریت اسی میں جانی کہ تحریر کے مطابق ہلا چون و چرا عمل کرے۔ اُس نے خالد کے ہاتھ سے تھیلا لیا اور اُسے نصف کے قریب نوٹوں سے بھر دیا خالد نے کیشئر کے ہاتھ سے تھیلا لیا اور تیزی سے بنک سے باہر نکل گیا۔ وہ کار کے پاس پہنچا اور ڈکی کھول کر تمام نوٹ ایک دوسرے چمڑے کے تھیلے میں انڈیل دیے۔ پھر اُس نے نوٹوں کے اُوپر کتابوں کا ڈھیر لگا یا۔ اور چار پانچ کتابیں ہاتھ میں پکڑ لیں۔ ڈکی بند کرنے کے بعد اُس نے اپنی نقلی مونچھیں اُتاریں اور جیب سے ریڈی میڈ ناک نکال کر اپنی ناک پر جمالی۔

اب وہ کلین شیو میں پھولی ہوئی ناک والا نوجوان لگ رہا تھا ۔ اس کا حُلیہ یکسر بدل چکا تھا ۔ اب اگر وہ کیشئر کے قریب بھی جا کھڑا ہوتا تو وہ سے نہ پہچان سکتا حُلیہ تبدیل کرنے کے بعد وہ تھیلا اور کتابیں ہاتھ میں لئے بنک کی طرف چل پڑا ۔ یوں محسوس ہو رہا تھا ۔ جیسے وہ کوئی ہاکر ہو جو سڑک کے کنارے کتابیں بیچنے میں مصروف ہے ۔بنک کے قریب بھیڑ جمع ہو چُکی تھی۔ تین سارجنٹ بنک کے باہر بے بسی کے عالم میں ہاتھ ملتے ہوئے ٹہل رہے تھے جب کہ سی ۔ آئی ڈی انسپکٹر ڈاکے کی اطلاع ملتے ہی مختلف سڑکوں پر پھیل گئے اور مجرم کی تلاش شروع کر دی اور مجرم ان کی آنکھوں سے قریب رہ کر بھی کوسوں دُور تھا وہ دل ہی دل

میں پولیس کی اس بے بسی پر مسکرا رہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اگلے ہفتے خالد کا نشانہ گرینڈ بنک تھا جس کے ارد گرد اتنے سخت حفاظتی انتظامات تھے کہ چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ کوئی بڑے سے بڑا مجرم بھی اس بنک کی طرف انتظامات کے علاوہ اندرونی انتظامات بھی بڑے سخت تھے۔ اس بنک کو لوٹنا مشکل ہی نہیں بلکہ نا ممکن تھا مگر خالد جیسا شاطر مجرم اسے لوٹنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ وہ منصوبہ بندی کے بعد پورے منصوبے پر غور و خوض کر تا کہ کہیں کوئی خامی تو نہیں رہ گئی ار پھر مکمل اطمینان کے بعد وہ اپنے مشن پر روانہ ہوتا۔ آج اس نے اپنی زندگی کا بہت

بڑا اور آخری ڈاکہ ڈالنا تھا ۔ وہ چھوٹے چھوٹے ڈاکے ڈالتے ہوئے اکتا چکا تھا ۔ ہر ڈاکے میں اسے پچیس سے پچاس لاکھ روپے حاصل ہوتے ۔ جب کہ آج وہ پانچ کروڑ کا ڈاکا ڈالنے چلا تھا ۔ جس میں دو کروڑ کر کرنسی اور تین کروڑ کا سونا تھا وہ ڈاکا ڈالنے سے پہلے تمام معلومات حاصل کر تا اور پھر اپنے منصوبے پر عمل کرتا اور اس کی معلومات کے مطابق آج گرینڈ بنک میں دو کروڑ کی کرنسی اور تین کروڑ کا سونا موجود تھا ۔ اس نے کرنسی اور سونا چُھپا نے کے لئے بنک کے پارک میں ایک فوکس ویگن پہلے ہی پارک کر رکھی تھی ۔ ویگن کے شیشے کچھ اس طرح تھے کہ اندر سے تو باہر دیکھا جا سکتا تھا مگر باہر سے اندر نہیں دیکھا جا

سکتا تھا۔

خالد معمول کے مطابق بنک بند ہونے سے پندرہ منٹ پہلے بنک پہنچا ۔ وہاں اُس نے چہرے پر گیس ماسک چڑھا کر جیب سے دو گیس بم نکالے اور عملے کی طرف اچھال دیے ۔ بم پھٹے اور بنک میں ہلکا ہلکا سا دو دھیا دھواں پھیل گیا ۔ پلک جھپکتے ہی بنک میں موجو د تمام افراد ماسوائے خالد کے بے ہوشی کی وادی میں پہنچ گئے ۔ خالد جلدی سے بنک کے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے پر بنک بند ہے کی تختی لٹکا دی ۔ پھر اند ر سے چٹخنی چڑھا دی۔ پانچ منٹ بعد وہ چرمی تھیلوں میں کرنسی بھر چکا تھا ۔ اُ س نے بنک کا پچھلا دروازہ کھولا اور دونوں تھیلے اُٹھا کر بنک سے باہر آ کے اندر چلا گیا ۔ اب

اُس نے تھیلوں میں سونے کی اینٹیں انڈیلنی شروع کر دی۔

تھوڑ ی دیر بعد وہ پھر اپنی ویگن کی طف بڑھا ۔ اب اُس کے پاس صرف پانچ منٹ تھے۔ پانچ منٹ بعد بنک کا عملہ ہو ش میں آجاتا ۔ اور پھر شہر بھر کی سڑکوں پر پولیس پھیل جاتی ۔ وہ ایک مرتبہ پھر بنک میں داخل ہوا ۔ سونے کا آخری تھیلا بھر ا اور ویگن میں لاکر رکھ دیا ۔ پھر وہ اسٹرینگ وھیل پر آبیٹھا ۔ اگنیشن میں چابی گھومی ۔ ویگن ریورس گیئر میں بنک کی حدود میں سے باہر نکلی اور سڑک پر دوڑ نے لگی ۔ اس نے خالد نے ویگن کو بنک سے آدھ فرلانگ کے فاصلے پر پارک کیا اور قریبی ریسٹورنٹ میں جا بیٹھا ۔ ٹھیک اسی لمحے بنک کے باہر بھگدڑ مچ گئی

اور پھر ماحول سائرنوں سے گونج اُٹھا ۔ خالد یہ افرا تفری دیکھ کر مسکرا اُٹھا ۔

چائے پینے کے بعد خالد نے بل ادا کیا اور ریسٹورنٹ سے باہر آگیا ۔ اب وہ شہر بھر ی پولیس کی بے بسی کا مذاق اُڑانا چاہتا تھا ۔ چنانچہ پہلے وہ اپنے گھر گیا جہاں سے اُس نے اپنی سپورٹس موٹر سائیکل نکالی ار سڑکوں کی سیر کو نکل گیا ۔ ہر طرف پولیس کی جیپیں سائرن بجاتی گزر رہی تھیں ۔

اب خالد دُنیا کا امیر ترین شخص تھا جس کے قبضے میں پانچ کروڑ روپیہ تھا اور یہ سب کچھ اس نے جان کی بازی لگا کر حاصل کیا تھا ۔

خالدسپورٹس پر بیٹھا ٹریک روڈ سے گزر رہا تھا کہ اُس کی نظر بیک مر مر

شیشے سے ٹکرائی ۔ جہاں اسے ایک موٹر سائیکل لہراتی ہوئی نظر آئی ۔ جس پر ایک نوجوان سوا رتھا ۔ نہ جانے کیوں خالد کی چھٹی حس پکار اُٹھی ۔ خطرہ ۔خطرہ ۔خطرہ ‘‘

خالد نے اپنی موٹر سائیکل کی رفتار تیز کر دی اس کیساتھ ہی پچھلی موٹر سائیکل بھی مقابلے پر آگئی اب دونوں موٹر سائیکلیں برق رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھیں ۔ اچانک پچھلی موٹر سائیکل نے سپورٹس کو کراس کای اب دونوں موٹر سائیکلیں برابر دوڑ رہی تھیں ۔ کبھی خالد ایک فٹ آگے نکل جاتا ۔ کبھی نوجوان ‘ کتنی ہی دیر اسی طرح گزر گئی ۔ پھر نوجوان نے مسکراتے ہوئے اسے رُکنے کا اشارہ کیا اور اپنی موٹر سائیکل کے بریک لگا دیئے خالد نے بھی

موٹر سائیکل روک لی۔

اتنے میں نوجوان اپنی موٹر سائیکل سے اُتر کر اخالد کی سپورٹس کے قریب آ گیا ۔

''کیا ہم مخلص دوستوں کی طرح تھوڑی دیر گفتگو نہیں کر سکتے ۔'' نوجوان نے شائستہ لہجے میں کہا ۔

'' ضرور ۔۔۔ضرور۔۔۔ ''۔ کالد نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ '' مجھے خالد کہتے ہیں اور میں امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار کر تا ہوں۔ اتنی دیر میں بیرے نے میز پر کافی سجا دی ۔ دونوں کافی پینے لگے۔ سکندر نے کافی کا ایک گھونٹ بھرا اور بولا ۔

'' خالد ! جھوٹ مت بولو ار یہ ڈاکا ذنی کا پیشہ چھوڑ دو ۔'' یہ سُن

کر خالدے مارے حیرت کے اُچھل پڑا ار پھر اُس کے لب ہلے ۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو ؟ ''

صحیح کہہ رہا ہوں ۔ کیا یہ سچ نہیں کہ تم نے آج جو ڈاکہ ڈالا ہے وہ تمہاری زندگی کا آخری ڈاکا ہے ۔

'' کیا !!! ۔ '' خالد اُچھل پڑا ۔ '' تو گویا تمہیں علم ہو چکا ہے کہ آج میں نے اپنی زندگی کا آ کی ڈاکا ڈالا ہے۔

''ہاں ! '' سکندر نے اثبات میں سر ہلایا پھر اُس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکالا اور خالد کی آنکھوں کے سامنے لہرادیا ۔کارڈ دیکھتے ہی خالد اُچھل پڑ ا۔ تت۔۔ تم سی آئی ڈی انسپکٹر

ہو۔"

"ہاں مسٹر خالد" ! ہم شروع سے ہی تمہاری نگرانی کر رہے تھے ۔ تمہاری وہ ویگن قبضے میں لی جا چکی ہے ۔ جس میں تم نے کرنسی اور سونا رکھا ہے ۔ تم نے بنک کے عملے کو تو بے ہوش کر ڈالا مگر اُس آٹیک کیمرے سے نہ بچ سکے جس نے تمہارے بنک میں داخل ہوتے ہی تمہاری تصویریں اُتار ڈالیں اور بنک میں ڈاکہ پڑتے ہی سگنل مشین نے ہمیں سگنل بجھوانا شروع کر دای تھا ۔ اس لئے ہم وقت پر بنک پہنچ گئے اور تمہارا پیچھا شروع کر دیا ۔ سچ ہے مجرم خود کو بڑا چالاک سمجھتا ہے مگر دیکھو ۔ تم پھر بھی پکڑے گئے ۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

حکمت کے موتی

☆قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی:۔

☆ماں باپ کا نافرمان جنت میں داخل نہ ہو سکے گا :۔

☆ اچھے دوست زندگی کا بہترین سرمایہ ہوتے ہیں:۔

موتی

☆ہر کام کا آغاز بسم اللہ پڑھ کر کرو اس سے کام میں برکر پڑتی ہے اور نقصان نہیں ہوتا :۔

☆ حسد نیکیو ں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے :۔

انمول موتی

☆ایک دوسرے سے حسد نہ کرو کیونکہ حسد ایمان کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے :۔

حضرت علیؓ

☆انسان اپنی بات چیت سے پہچانا جاتا ہے :۔

.....THE END.....ختم شد.....